خس کم جہاں پاک؟

یوم آزادی کا پیغام: خود احتسابی

اجتماعی توبہ کی ضرورت

اولوالالباب کے غور وفکر کا حاصل؟

مظلوم کی چیخ

یوگوسلاوی مسلمان عہد اشتراکیت میں

ہوئے تم دوست جس کے.....

وہ جا رہا ہے مگر.....

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

دنیا کو اسلام کی احتیاج ہے

آج وقت آ گیا ہے کہ اسلام ایک مرتبہ پھر اپنے اس فرض کو دُھرائے جو وہ ایک بار انجام دے چکا ہے۔ دنیا جس قدر اس کی تعلیم کی اُس وقت محتاج تھی، جب کہ چھٹی صدی عیسوی میں اس نے جزیرہ نمائے عرب سے اپنی صورت دکھلائی تھی، اس سے کہیں زیادہ آج بھی اس کے کاموں کی محتاج ہے۔ اس کو اپنے امن ونظام کے لیے، اپنی عدالت وصداقت کے قیام کے لیے، اپنی سفاکیوں اور بے رحمیوں کے ازالے کے لیے، اپنی صلح عام اور امنیت عمومی کے ظہور کے لیے، اصلاح انسانیت اور استیصال سبعیت وھجمیت کے لیے، اور سب سے آخر یہ کہ اللہ کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو پھر سے جوڑنے کے لیے صرف اسلام ہی کی ضرورت ہے اور صرف اسلام کی۔ اسلام کے فرزند خود اسلام سے بے نیاز ہو گئے ہوں، مگر دنیا ابھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

مولانا ابوالکلام آزاد

سورۃ الانعام
(آیات 153-154)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾

''اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے، تو تم اسی پر چلنا، اور اور رستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ اِن باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیز گار بنو۔ (ہاں) پھر (سُن لو کہ) ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عنایت کی تھی، تا کہ اُن لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تا کہ (اُن کی اُمت کے) لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں۔''

یہاں یہ واضح کیا گیا کہ یہ جو پگڈنڈیاں اور متفرق راستے تم نے بنا رکھے ہیں یہ دین نہیں ہیں، یہ تمہاری اپنی اختراع ہے۔ اصل دین وہ ہے جو میرا، (یعنی رسول اکرمؐ کا) کا راستہ ہے۔ میرا یہ راستہ، بالکل سیدھا ہے۔ تمہاری کامیابی اِسی میں ہے۔ یہ راہ تم کو دکھا دی گئی ہے۔ اب اس پر چلنا تمہارا کام ہے۔ جو کوئی اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا، وہ اللہ کے راستہ سے بھٹکا۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اس کی پیروی کرو۔ اور اس کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر نہ جا پڑو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر ادھر ادھر چلا دیں گے، بلکہ تم تو بس سیدھے راستے پر قائم رہو، وہ راستہ جو اسلام کا راستہ ہے۔ یہ ہیں وہ چیزیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے، تا کہ تم گناہوں سے بچو اور تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔

فرمایا، ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی تا کہ نیکوکاروں پر اپنی نعمت پوری کر دیں اور اس میں ہم نے تمام چیزوں کی تفصیل دے دی۔ درحقیقت اُنہی تعلیمات کا خلاصہ ہے جو آپ کو سورۃ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں ملے گا۔ یہ احکام عشرہ (Ten Commandments) کا Quranic Version ہے۔ تو اللہ کا کلام اللہ کے بندوں کے لیے نعمت اور رحمت ہوتا ہے۔ اس میں ہر شے کے لیے تفصیل، ہدایت اور رحمت ہے، تا کہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری پر یقین رکھیں۔

فرمانِ نبویؐ
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ((رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا یُّصَلِّیْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ یُّعِیْدَ الصَّلٰوةَ))
(رواہ الترمذی)

حضرت وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپؐ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔

تشریح: صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اس لیے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کر اپنے ساتھ کھڑا کر لے، بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے، اور اس صورت میں عنداللہ یہ شخص معذور ہوگا۔

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 21 تا 27 اگست 2008ء / 18 تا 24 شعبان 1429ھ — شمارہ 34

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک.....250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا----------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خس کم جہاں پاک؟

سوچیے اور سوچ کر ہمیں بھی بتائیں کہ پاکستان کا کوئی ایک حکمران بھی Smoothly ایوانِ اقتدار سے رخصت ہوا ہو۔ یعنی نہ کوئی بحران پیدا ہوا ہو، نہ ہی کوئی حادثہ ہوا ہو اور نہ ہی اداروں کا تصادم ہوا ہو اور صاحب اقتدار کسی انتخابات کے نتیجہ میں یا اپنی ٹرم کے مکمل ہونے پر مسندِ اقتدار کو خیر باد کہہ کر خاموشی سے گھر کو چلے گئے ہوں۔ ہمارے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان جلسہ گاہ میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ناظم الدین کو گورنر جنرل نے برطرف کیا۔ محمد علی بوگرہ، چودھری محمد علی، آئی آئی چندریگر، حسین شہید سہروردی قصرِ صدارت سے براہِ راست تصادم یا ایوان صدر کے پیدا کردہ حالات کے نتیجہ میں کرسی چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ فیروز خان نون کی حکومت خاکی وردی کی لپیٹ میں آئی اور بھاری بوٹوں تلے روندی گئی۔ ایوب خان ایک خوفناک تحریک کے نتیجہ میں اقتدار سے محروم ہوئے۔ اُس تحریک میں لاٹھی گولی کا عام استعمال ہوا، کرفیو لگے اور بہت سے لوگ ہلاک ہوئے، تب کہیں ایوب خان رخصت ہوئے۔ یحییٰ خان کے دور میں پاکستان دولخت ہوا اور اِس شرمناک انداز میں ہوا کہ ہماری افواج نے اپنے ازلی اور پیدائشی دشمن کے آگے ہتھیار ڈالے، لیکن صدر موصوف پھر بھی اقتدار چھوڑنے پر تیار نہ تھے، بلکہ اپنی طرف سے ایک نیا آئین پاکستان پر مسلط کرنے پر اصرار کر رہے تھے۔ بالآخر اُنھیں دوسرے جرنیلوں نے باہر کا راستہ دکھایا۔ ذوالفقار علی بھٹو تحریک نظام مصطفیٰ کا شکار ہوئے۔ اُنہوں نے بھی لاٹھی اور گولی سے اپنی حکومت کو سنبھالا دینے کی کوشش کی، لیکن تاک میں بیٹھے جنرل ضیاء الحق نے گن پوائنٹ پر اُن سے حکومت چھینی۔ جنرل ضیاء الحق کی جان اور اقتدار دونوں فضا میں تحلیل ہوئے۔ بے نظیر اور نواز شریف باہمی جوڑ توڑ کرانے میں بھی مصروف رہے لیکن اصلاً اُنھیں وقت کے صدور نے (B)2-58 استعمال کر کے اقتدار سے محروم کیا۔ اگر مشرف 18 فروری کے عام انتخاب کے نتائج سامنے آنے پر فوری طور راستعفا دے دیتے تو شاید ہم کہہ سکتے کہ اُنہوں نے عوامی مینڈیٹ کو تسلیم کیا ہے لیکن یہ بدقسمت شخص جس طرح اقتدار چھوڑنے پر مجبور ہوا ہے، وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ یورپ، امریکہ بلکہ اب تو ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک میں انتقال اقتدار کا عمل اتنے احسن طریقے سے ہوتا ہے کہ روزمرہ زندگی قطعی طور پر متاثر نہیں ہوتی جبکہ ہم ہر ایسے موقع پر اپنا حلیہ بگاڑ لیتے ہیں۔ عوام کا حال یہ ہے کہ وہ ہر حکمران کے جانے کے بعد "خس کم جہاں پاک" کا نعرہ لگاتے ہیں اور کچھ دیر بعد اُنھیں احساس ہوتا ہے کہ خس کم نہیں ہوا بلکہ زیادہ ہو گیا ہے۔ ہماری رائے میں ظاہری اور باہری طور پر اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ قومی سطح پر ہوسِ اقتدار بدترین شکل میں ہم میں موجود ہے۔ دوسری یہ کہ ہم نظم و ضبط سے مکمل طور پر محروم ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ دین جس کے ہم پیروکار ہیں اور وہ نبی ﷺ جس کے ہم نام لیوا ہیں، اِن دونوں معاملات میں اُن کی تعلیمات بڑی واضح اور روشن ہیں۔ نماز دینِ اسلام کا ستون ہے۔ جتنی نظم و ضبط کی پابندی نماز سکھاتی ہے، کوئی دوسرا الہامی مذہب یا دنیوی قانون نہیں سکھاتا۔ وقت کی پابندی کے ساتھ ایک امام کی اقتدا میں صف باندھ کر یوں کھڑے ہو جانا کہ نہ کوئی غیر ضروری آواز نکالی جا سکتی ہے، اور نہ ہی کوئی حرکت کی جا سکتی ہے، یہاں تک کہ اگر امام غلطی کرے تو آپ اُسے ایک بار طے شدہ اور بتلائے گئے طریقے کے مطابق ٹوک تو سکتے ہیں لیکن امام پھر بھی غلطی درست نہ کرے تو نہ کوئی احتجاج کر سکتے ہیں نہ نماز سے الگ ہو سکتے ہیں بلکہ آپ کو نماز کے ختم ہو جانے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ہوسِ اقتدار کا جنوں کی شکل اختیار کر لینا تو بہت دور کی بات ہے، حضور اکرم ﷺ نے تو عہدہ اور جاہ کی طلب کو بھی ناپسندیدہ فرمایا ہے۔ جب ہم محبوب ربانی کی منشا

خلاف اقتدار کے عشق میں یوں دیوانے ہو جائیں گے تو اللہ رب العزت کے غضب سے کیسے محفوظ رہیں گے۔ یہ سمجھنا نادانی اور جہالت ہوگی کہ ذلت و رسوائی صرف حکمرانوں کی ہوتی ہے۔ یہ ذلت و رسوائی ساری قوم کے حصے آتی ہے۔ دنیا بھر میں کوئی یہ نہیں کہے گا کہ غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب یحییٰ، بھٹو اور مشرف بُرے تھے۔ ساری لعن طعن پاکستانیوں کو ہوگی۔ بحیثیت قوم مذاق ہمارا اُڑایا جائے گا۔ بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر مسلمان اور اسلام کے خلاف زبان درازی کی جائے گی۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم خود دنیا کو یہ مواقع فراہم کرتے ہیں۔ قوم کا ہر فرد کسی نہ کسی درجہ میں اِس کا ذمہ دار ہے۔ وسائل، قوت، اختیار اور دستیاب مواقع کے حوالے سے سیاست دان، سول و فوجی بیوروکریسی، علماء کرام، دانشور حضرات، صحافی اور خود کو سونے اور چاندی میں تولنے والے یقیناً زیادہ بلکہ بہت زیادہ ذمہ دار ہیں لیکن قوم کا کوئی فرد بھی خود کو کلیتہً بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔

ہمارے قارئین یہ توقع کرتے ہوں گے کہ مشرف کے مستعفی ہونے کے بعد پہلی تحریر میں ہم اُس کے سیاہ اعمال کا تفصیل سے ذکر کریں گے، لیکن ہم اللہ کے فضل و کرم سے اور اُس کی دی ہوئی توفیق سے یہ کام اُس دور میں کرتے رہے ہیں جب اُس کا اقتدار پورے جوبن پر تھا۔ ہم نے اِس مرتبہ اُس کے لیے ''بدقسمت'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مشرف کی بدقسمتی یہ نہیں کہ اُسے اقتدار ذلیل و رسوا ہو کر چھوڑنا پڑا، بلکہ اُس کی اصل بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں غیروں کے اشارے پر نہ صرف مسلمانوں کا قتل عام کیا، قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کو کافروں کے ہاتھ فروخت کیا بلکہ دین اسلام کے محکمات اور مسلمات کی علانیہ طور پر زبانی اور عملی تکذیب کی۔ اگرچہ کسی کے اخروی انجام کا فیصلہ کرنا صرف اور صرف اللہ رب العزت کا اختیار ہے، لیکن ظاہری لحاظ سے اور قرآن و سنت کے فراہم کردہ پیمانہ کے حوالہ سے ہمیں وہ بہت بدقسمت نظر آتا ہے، واللہ اعلم۔ بہرحال ہمیں اب آگے کی طرف دیکھنا چاہیے۔ ہم موجودہ حکمرانوں کی خدمت میں ہنری کسنجر کا ایک مقولہ پیش کریں گے۔ ''امریکہ کا دشمن تو شاید امریکہ کے غضب سے بچ جائے لیکن امریکہ کا دوست اُس کے غضب سے نہیں بچ سکتا۔'' امریکہ نے ہمارے حکمرانوں کو ہمیشہ ٹشو پیپر کے طور پر استعمال کیا۔ آخر ہمارے حکمران اِس بات کو کیوں نہیں سمجھتے۔ ہمیں حیرت اِس بات پر ہے کہ نئی حکومت جو زرداری اینڈ کمپنی پر مشتمل ہے، وہ بھی امریکی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہونے کے لیے بے تاب ہے۔ ہمیں مشرف کی شکل سے نفرت نہیں تھی، اُس کی پالیسیاں کافرانہ اور مسلمانوں کے حق میں ظالمانہ تھیں۔ اگر یہی پالیسیاں جاری رہیں تو یہ نفرت بھی ''ٹریول'' کرے گی، بلکہ اِس کا اظہار زیادہ شدت سے ہو گا، کیونکہ ایسی صورت میں موجودہ حکمرانوں کو مشرف کے گناہوں کا بوجھ بھی اُٹھانا پڑے گا۔

نظریۂ پاکستان سے انحراف کر کے اور ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ'' کے نعرہ کو فراموش کر کے یہ توقع رکھنا کہ پاکستان ایک باعزت، باوقار، مضبوط اور مستحکم ملک بن جائے گا ایسا ہی ہے جیسے کیکر کے درخت پر انگور کے بیل چڑھنے کی امید باندھ لی جائے۔ ہمیں اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ امریکہ، اسرائیل اور انڈیا ایٹمی پاکستان کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے اور Do more کی رٹ اُس وقت تک لگتی رہے گی جب تک ہمارے ایٹمی اثاثہ جات چھین نہیں لیے جاتے۔ علاوہ ازیں معدنی دولت سے مالا مال بلوچستان اور اُس کی انتہائی اہم بندرگاہ گوادر پر اُن کی نظر ہے۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم اللہ کی مدد حاصل کیے بغیر اس طاقتور ٹرائیکا کا مقابلہ کر سکیں، اور اللہ کی مدد اللہ کا نظام نافذ کیے بغیر کیسے آ سکے گی۔ لہٰذا افراد اور حکومتیں کتنی ہی کیوں نہ بدل جائیں موجودہ نظام باطل جاری و ساری رہا تو ہماری حالت نہیں بدل سکتی۔ ہم ہر حکمران کے جانے پر کہیں گے ''خس کم جہاں پاک'' لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد محسوس ہوگا کہ خس مزید بڑھ گیا ہے، جہاں اور ناپاک ہو گیا ہے۔

پریس ریلیز **19 اگست 2008ء**

پرویز مشرف نے اسلام دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام اور ڈالروں کی خاطر قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کو فروخت کیا۔ ان کا استعفا کافی نہیں، کڑا احتساب کیا جائے

حکومت امریکہ کی مسلط کردہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ سے فی الفور علیحدگی اختیار کرے

حافظ عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی پاکستان حافظ عاکف سعید نے صدر پرویز مشرف کے استعفا پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ صدارت سے علیحدگی ملک میں جاری سیاسی بحران اور کشیدگی میں کمی کا باعث بنے گی، لیکن کیا ایک شخص جو انسانیت کے خلاف عظیم جرائم کا مرتکب ہوا ہو اور جو مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام کرے، قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کو چند ڈالروں کے عوض فروخت کرے، اُس کا محض استعفا دینا کافی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اِس شخص کا عدالت کے کٹہرے میں کڑا احتساب ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں اب ہمیں امریکہ کی مسلط کردہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ سے فی الفور علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے۔ اس لیے کہ اگر نئی حکومت امریکی ایجنڈے کی تکمیل میں اِسی طرح امریکہ کے حکم کی غلام بنی رہی تو چہروں کی تبدیلی سے ملک و ملت کے لیے کوئی خیر برآمد نہ ہوگا۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی، پاکستان)

یوم آزادی کا پیغام: خود احتسابی

یوم آزادی کا تقاضا نفل غباڑہ، بلڑبازی، غیر سنجیدگی کے مظاہرے اور چند رسمی سیاسی بیانات نہیں، بلکہ اس کا اصل تقاضا یہ ہے ہم نعمت آزادی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں۔ اس دن ہم شکرانے کے نوافل ادا کریں، اظہار تشکر کی محفلیں منعقد کریں۔ پھر یہ کہ اپنا احتساب کریں۔ اپنے روز و شب کا جائزہ لیں کہ آیا ہم نے قومی سطح پر اپنی ذمہ داریاں ادا کیں یا نہیں۔ اپنے طے شدہ اہداف اور بلند مقاصد کو حاصل کیا یا اُن سے پسپائی اختیار کی

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 15 اگست 2008 کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی (انفال 26 اور النحل 112) کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! کل 14 اگست کو قوم نے اکسٹھ واں یوم آزادی منایا۔ شمسی تقویم کے اعتبار سے اب ہم باسٹھ ویں سال میں قدم رکھ چکے ہیں۔ اگر ہجری کیلنڈر کا حساب کیا جائے، جو کہ اسلامی تقویم ہے تو ہم آئندہ رمضان کی 27 تاریخ کو تریسٹھ برس کے ہو جائیں گے۔ اکسٹھ یا تریسٹھ سال کا عرصہ ایک قوم کے لئے بڑا عرصہ ہے۔ دنیا میں سنجیدہ اور باوقار قومیں اِس عرصے میں اپنے استحکام کی منزل طے کر لیتی اور اہداف و مقاصد حاصل کر لیتی ہیں۔ اِس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہم چھ دہائیاں گزر جانے کے باوجود اپنے مقاصد اور اہداف کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

بلاشبہ آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ محکومی اور غلامی ایک وبال ہے۔ یہ ایسی حالت ہے کہ اس میں انسان اعلیٰ خصائص اور اوصاف سے محروم ہو جاتا ہے۔ محکومی میں قوموں کا ضمیر سو جاتا ہے، افرادِ قوم میں جرأت و شجاعت ناپید ہو جاتے ہیں، اور ایسی خوشامدانہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا حاصل حقیر ذاتی مفادات ہوتے ہیں۔ اقبال نے بہت خوب کہا ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

ایک اور مقام پر کہتے ہیں۔

محکوم ہے بیگانۂ اخلاص و مروّت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک

افسوس کہ ہم نے آزادی کے مفہوم اور اُس کی قدر و قیمت کو نہ سمجھا۔ ہمارے ہاں جس بھونڈے اور نامناسب طریقے سے جشن آزادی منایا جاتا ہے، جس طرح کی بلڑبازی ہوتی ہے، اُسے دیکھ کر تو یوں لگتا ہے کہ ہم نے آزادی کا مطلب مادر پدر آزادی اور تہذیب و شائستگی سے آزادی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یوم آزادی کا تقاضا غل غپاڑہ، بلڑبازی، غیر سنجیدگی کے مظاہرے اور چند رسمی سیاسی بیانات نہیں، بلکہ اِس کا اصل تقاضا یہ ہے ہم نعمت آزادی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں۔ اِس دن ہم شکرانے کے نوافل ادا کریں، اظہار تشکر کی محفلیں منعقد کریں۔ پھر یہ کہ اپنا احتساب کریں، اپنے روز و شب کا جائزہ لیں کہ آیا ہم نے قومی سطح پر اپنی ذمہ داریاں ادا کیں یا نہیں۔ اپنے طے شدہ اہداف اور بلند مقاصد کو حاصل کیا یا اُن سے پسپائی اختیار کی۔ ہم نے گزشتہ اکسٹھ سالوں میں کیا کھویا اور کیا پایا۔ داخلی سطح پر کہاں کہاں اور کس کس سے کوتاہی ہوئی، اور یہ تجزیہ کرتے ہوئے ٹھوس حقائق اپنے سامنے رکھیں۔ غلط اعداد و شمار پیش کر کے قومی ترقی، خوشحالی اور بین الاقوامی سطح پر قوم کی حیثیت اور مقام کے ضمن میں جھوٹے دعووں سے اجتناب کریں کہ یہ دعوے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور خود فریبی کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ہمیں اِس بات کا بھی پوری دل سوزی سے جائزہ لینا چاہیے کہ خارجی سطح پر اپنی پالیسیوں کی تشکیل میں ہم نے کس حد تک اپنے اساسی نظریے، قومی امنگوں اور ملک و ملت کے مفادات کو پیش نظر رکھا، نیز بحیثیت قوم آج دنیا کی نگاہ میں ہماری حیثیت اور مقام کیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

> اگر ہم نے بحیثیت قوم اپنا قبلہ درست نہ کیا تو چہروں کی تبدیلی سے کسی چیز کی توقع نہ رکھیے۔ موجودہ حکومت امریکہ کی حمایت اور اس کی ڈکٹیشن کو نافذ کرنے میں سابقہ حکمرانوں سے بھی آگے ہے

صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

وہ قوم جو ہر دور میں اپنے عمل کا احتساب کرنے کی عادی ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک شمشیر کی مانند ہے، جس کے ذریعے ربّ کائنات دنیا میں اپنی برتری اور حکمرانی کا سکہ جماتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ باطل کا قلع قمع کرنے، اُسے نیست و نابود کرنے کے لیے ایسی قوم سے کام لیتا ہے جو سچائی کی علمبردار ہو۔ ایسی قوم کا ایک اہم وصف اقبال کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے میں اپنے عمل کا حساب کرتی ہے، اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کا تجزیہ کرتی ہے، اپنے حالات کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اُن کی روشنی میں اپنے مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتی ہے۔

ہماری قومیت کی اساس دین اسلام ہے۔ ہم نے ہندوؤں سے الگ قومیت کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا تھا۔ بانیانِ پاکستان نے بجا طور پر کہا تھا کہ ہمارا مذہب، ثقافت، سماجی اقدار، رہن سہن اور طرزِ معاشرت الغرض کوئی بھی چیز ہندوؤں سے نہیں ملتی، لہٰذا مسلمانوں کے لئے علیحدہ خطۂ زمین ہو، جہاں وہ اپنے دین کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہم نے انفرادی سطح پر دین کو کتنا اختیار کیا اور اجتماعی سطح پر اِس کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کے قیام کے لئے آیا کوئی کوششیں کیں یا اِس کے مخالف سمت اپنا سفر جاری رکھا، اور نفاذ اسلام کا مطالبہ کرنے والوں کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ اِس پر سوچ بچار بہت ضروری ہے۔

اگر ہمیں زندہ قوم بن کر جینا ہے، تو اِس کا اوّلین تقاضا خود احتسابی ہے۔ ہم مسلمانوں کی ایک تو بحیثیت امت ذمہ داری ہے، اور وہ ہے دنیا پر دین حق کی شہادت و

گواہی، اللہ کے دین کو غالب کرنا۔ ہم دنیا میں اللہ کی نمائندہ امت ہیں۔ لہٰذا اللہ نے ہمیں جو مشن دیا ہے، اُس کو پورا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اِس حوالے سے بھی ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے آیا یہ ذمہ داری ہم ادا کر رہے ہیں یا اِس سے پہلوتہی کر رہے ہیں۔ اور پھر مسلمانانِ پاکستان کی حیثیت سے ہمیں اِس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جس وعدے پر ہم نے یہ ملک حاصل کیا تھا، یعنی نفاذ اسلام، اس میں ہم کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں؟

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ قوم کی عظیم اکثریت بالخصوص نوجوان نسل اپنی تاریخ سے کماحقہٗ آگاہ نہیں۔ لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ ہم کن حالات میں آزاد ہوئے، اور اب ہمارا اصل ہدف کیا ہے۔ سورۃ الانفال میں اُن حالات کا ایک نقشہ دکھائی دیتا ہے، جن میں اللہ نے ہمیں یہ ملک عطا کیا۔ یہ آیت اگرچہ مہاجرین مکہ کے متعلق نازل ہوئی، تاہم تحریک پاکستان کے زمانے میں مسلمانانِ ہند کے احوال کی اِس آیت کے مضمون سے عجیب مشابہت ہے۔

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

”اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھتے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اُڑا (نہ) لے جائیں تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ (اِس کا) شکر کرو۔“

ظاہر ہے ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے، وہ اپنے ہی وطن میں بے بسی اور کمزوری کا شکار تھے۔ ہندوؤں کی اکثریت تھی اور انہوں نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں پر تعلیم، ملازمتوں اور ترقی کے دروازے بند تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کو اپنے قومی وجود اور تشخص کے مٹنے کا اندیشہ تھا۔ اسلام کو اِس قدر شدید خطرہ لاحق تھا کہ برصغیر سے اُس کا نام و نشان مٹانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لئے شدھی اور سنگھٹن جیسی انتہا پسند جنونی تحریکیں چل رہی تھیں۔ اِن پُر خطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دلائی، اور پاکستان کی صورت میں ایک پناہ گاہ عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو ٹھکانہ دیا، جو خطۂ زمین عطا کیا، وہ ہر لحاظ سے ایک بہترین خطہ ہے۔ اس میں ہر قسم کی جغرافیائی صورتحال موجود ہے۔ اس میں پہاڑ بھی ہیں اور میدان بھی، دریا بھی ہیں، ندیاں نالے بھی ہیں، صحرا بھی ہیں اور نخلستان بھی۔ اس کا صوبہ پنجاب کا میدان ایک بہترین زرعی علاقہ ہے۔ یہاں انواع و اقسام کی سبزیاں، پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے۔ پہاڑی علاقوں بالخصوص سرحد میں جنگلات ہیں۔ صوبہ بلوچستان معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ تھر کے علاقے کے حوالے سے تھر پول کا بھی بہت چرچا ہے۔ یہاں اعلیٰ معیار کے کوئلے کے وسیع ذخائر موجود ہیں.....

تحریک پاکستان کے زمانے میں اور پھر قیام پاکستان کے بعد اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر ہماری مدد کی۔ 65 میں ہمیں فتح سے ہمکنار کیا۔ 71 کی جنگ میں اگرچہ ہمارا ایک بازو ہماری نالائقیوں کے سبب ہم سے الگ ہو گیا اور یہ اللہ اور اُس کے دین کے ساتھ بے وفائی کی سزا تھی، لیکن جو ملک باقی بچا وہ اللہ کی خاص مدد سے بچ سکا۔ اب بھی یہ ملک انڈیا یا کسی دوسری طاقت سے محفوظ ہے تو اس لیے کہ اللہ نے ہمیں ایٹمی صلاحیت عطا کی ہے، ورنہ انڈیا کب کا ہمیں ہڑپ کر چکا ہوتا۔ بہرحال اللہ نے ہمیں معجزانہ طور پر پاکستان عطا کیا، اور ہر ہر قدم پر ہماری نصرت فرمائی، اس لیے تاکہ وہ دیکھے ہم نعمت پا کر اُس کا شکر کرتے ہیں یا کفران نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اللہ کے انعام و احسان کی قدر کرتے، اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے، اس کی رضا اور خوشنودی کے نصب العین کے لیے محنت کرتے۔ مگر ہم نے ایسا نہ کیا۔ انگریز کی غلامی سے آزاد ہو کر ہم نے اسلامی نظریے کے ساتھ جس کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا تھا وفاداری نہیں کی، بلکہ دنیا اور دولت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا۔ اب ہمارا ایک ہی نصب العین ہے، زیادہ سے زیادہ دنیا کماؤ، اپنے ہی ملک کو لوٹو اور کھسوٹو اور اپنے خرچے بھرو۔ پاکستان میں سرکاری ملازمت کا ایک ہی مطلب ہے کہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنوں کو اور اپنے رشتہ داروں کو نوازنے کے موقع حاصل کیا جائے۔ ملک و قوم کا مفاد بھی کوئی شے ہے، یہ تو ہماری لغت میں ہے ہی نہیں۔ بس ذاتی مفاد کے چکروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ذاتی مفاد کے لیے ملک کے ٹکڑے کر کے کھا جائیں، کوئی حرج نہیں۔

شکر کا دوسرا اہم ترین تقاضا یہ تھا کہ اسلام سے متصادم وہ باطل نظام جو انگریز نے ہم پر مسلط کر رکھا تھا، اس باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر دین حق کو قائم کرتے۔ یہ ملک اللہ نے ہمیں عطا کیا۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ یہ مسلمانوں کی جدوجہد سے حاصل ہوا ہے۔ اس میں قرآن و سنت کا نفاذ ہونا چاہیے تھا، جیسا کہ قائداعظم نے فرمایا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ جو ملک بنانے چلے ہیں، اس کا دستور کیا ہوگا، تو اُن کا جواب تھا کہ ہمارا دستور 14 سو سال پہلے ہمیں دے دیا گیا یعنی قرآن پاک۔ مگر افسوس کہ اِس دستور کو ہم اب تک نافذ نہ کر سکے، بلکہ انگریز جو دستور چھوڑ کر گیا تھا، اسے ہی مقدس گائے کی طرح سنبھال کر رکھا ہے۔ اس کی پوری حفاظت کی ہے، اور غلبۂ اسلام کے ہر راستے میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ ہر کوشش کو ناکام بنانے کی سعی کی ہے۔

ہم نے شکر کی بجائے کفران نعمت کی جو روش اختیار کی، اِسی کا نتیجہ ہے کہ آج تکلیف دہ صورتحال سے دوچار ہیں، مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے مسائل اور زبوں حالی پر وہ آیت پورے طور پر منطبق ہوتی ہے جو سورۂ نحل میں آئی ہے۔ اس آیت میں ہمیں آئینہ دکھایا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾

”اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔ مگر اُن لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اُن کے اعمال کے سبب اُن کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔“

اللہ نے ہمیں پاکستان عطا کیا۔ اُس نے ہمیں وہ ایٹمی صلاحیت عطا کی کہ کوئی بیرونی دشمن ہمارے ملک کو میلی نظر سے دیکھ نہیں سکتا۔ اندرونی طور پر بھی اطمینان ہے کہ ایک ہی دین، قرآن اور ایک ہی مذہب کے ماننے والے لوگوں کی اکثریت ہے۔ اللہ نے پاکستان کو ہر قسم کے وسائل سے مالا مال کیا۔ پاکستان میں ہر قسم کے میوے، پھل، اناج، غلہ، اور سبزیاں مختلف جغرافیائی حالات میں آپ کو میسر ہیں۔ کوئی چیز یہاں سے چلی آ

عجیب بات ہے کہ بظاہر ہم سب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بہترین نظام ہے، اللہ نے ہمیں بہترین قانون اور دستور عطا کیا ہے، مگر اسے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یاد رکھئے، جب تک یہ نظام قائم نہ ہوگا، امن و امان اور خوشحالی نہ آ سکے گی

رہی ہے، کوئی وہاں سے آرہی ہے۔ کہیں سے خشک میوہ جات آرہے ہیں، کہیں سے پھل آرہے ہیں، کہیں سے گندم اور چاول آرہے ہیں۔ لیکن اللہ کے اتنے بڑے فضل کے بعد ہم اہل پاکستان نے اللہ کے ان انعامات کی ناشکری کی۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ قدر شناسی کا تقاضا دین کو قائم کرنا اور ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینا تھا۔ جیسا کہ ہم تحریک پاکستان کے زمانے میں کہتے تھے کہ ہماری اقدار، روایات اور معاشرت ہندوؤں سے الگ ہے۔ لیکن وہ سب کچھ آج کہاں ہے؟ وہ اسلامک سوشل ویلیوز کہاں ہیں؟ آج ہم تہذیبی حوالے سے جس حال میں ہیں اُس سے تو پاکستانی اور ہندوستانی معاشرے میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ بسنت کو ہم اُن سے بھی زیادہ اہتمام سے مناتے ہیں۔ بے حیائی اور فحاشی وعریانی میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں، کیا یہ اسلامی معاشرہ ہے؟ اللہ کے انعامات اور احسانات کی ناقدری کا نتیجہ کیا ہوا؟

﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾

"اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک کا مزا چکھایا، اور خوف کا لباس اوڑھادیا، بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے"

آج اس ملک کے اندر یہ دونوں عذاب پورے طور پر عیاں ہیں جن کو قرآن نے نمایاں کیا، لباس الجوع والخوف۔ ٹھیک ہے، ہمارے معاشرے میں 20,15 فیصد لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ جنہیں بھوک کا اندیشہ نہیں ہے، لیکن جو اسی (80) فیصد آبادی ہے اُس کو دیکھیے، وہ کس حال میں ہے، دو وقت کی روٹی ان کے لیے کتنی مشکل ہو چکی ہے، مہنگائی کے سیلاب نے اُن کی راتوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ پچھلے چند ماہ میں جب سے یہ نئی حکومت آئی ہے ڈیزل کی قیمت دوگنا ہو چکی ہے۔ آٹا ہے تو وہ غریب کی پہنچ سے باہر ہے۔ دالیں اور چاول کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس کے باوجود ہے کہ اللہ نے پاکستان کو سونا اُگلنے والی زمینیں عطا کیں مگر ہم اپنی نااہلی کی وجہ سے زراعت کو ترقی نہ دے سکے۔ ہمارے مقابلے میں انڈیا نے اپنی زمین کے ایک ایک انچ کو قابل کاشت بنایا ہے۔ کسانوں کو جدید زرعی آلات اور مراعات دی ہیں۔ اور یوں ایک بہترین زرعی نظام متعارف کرایا ہے۔ مگر ہمارے حکمران لوٹ کھسوٹ میں مشغول رہے، بھوک کے ساتھ ساتھ آج ہمیں توانائی اور بجلی کے بحران کا بھی سامنا ہے۔

دوسرا عذاب ہم پر خوف کی صورت میں مسلط ہے۔ یہ خوف کس درجے میں ہے، اس کا چند سال پہلے ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت ہم پرائی آگ کے اندر کود کر اپنے ہی مسلمانوں کا خون کر رہے ہیں۔ باجوڑ میں کیا ہو رہا ہے؟ ایک ہجرت ہم نے انڈیا سے کی تھی اور وہاں سے پاکستان آئے تھے۔ اب باجوڑ سے ہجرت کر کے لوگ دوسرے علاقوں میں جا رہے ہیں۔ کیونکہ وہاں گولہ باری ہو رہی ہے۔ اور مسلمان ہی ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ نہ صرف فاٹا اور شمالی علاقہ جات میں بلکہ پورے ملک میں خوف اور دہشت کی فضا ہے۔ ممکنہ خودکش حملوں سے لوگ خوفزدہ ہیں۔ خوف کی یہ کیفیت ہماری اُن پالیسیوں کا ردعمل ہے جو ہم نے اختیار کی ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ ہم مسلمان ہو کر اسلام ہی کی جڑوں پر کلہاڑا چلا رہے ہیں۔ ہم نام نہاد دہشت گردی کے خلاف اس جنگ میں شیطانی طاقتوں کا ساتھ دے رہے ہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ ہم اپنے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر رہے ہیں۔ بے حمیت حکمران نے قوم کی جذبہ ایمانی سے سرشار اور غیرتمند بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ڈالروں کے لالچ میں امریکہ کے حوالے کیا۔ یہ تو قومی طور پر بے غیرتی اور بے حمیتی کی ایک مثال ہے، ورنہ نہ جانے ہم نے کتنی بیٹیوں اور بیٹوں کو ڈالروں کی خاطر امریکی درندوں کے حوالے کیا ہے۔

حاصل کلام کیا ہے؟ میرے پیش نظر کوئی مرثیہ کہنا نہیں ہے، بلکہ اپنی قوم کو جگانا مقصود ہے۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ حالات تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر ہم اصل منزل کی طرف پیش قدمی نہیں کریں گے تو حالات نہیں بدلیں گے۔ یہ بات اللہ کی سنت کے خلاف ہے۔ مجھے یہ بات کہتے ہوکوئی خوشی محسوس نہیں ہو رہی، لیکن میں آپ کو یاد دلانا چاہ رہا ہوں کہ چہروں کی تبدیلی سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو درست نہیں کیا، بحیثیت مجموعی قوم نے اپنا قبلہ درست نہیں کیا تو چہروں کی تبدیلی سے کسی چیز کی توقع نہ رکھیے۔ موجودہ حکومت امریکہ کی حمایت اور ان کی ڈکٹیشن کو نافذ کرنے میں سابقہ حکمرانوں سے بھی آگے ہے۔ بحیثیت قوم ہمیں اپنا قبلہ درست کرنا ہوگا اور اس نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی جس کا عنوان نظام خلافت ہے۔ یہ اصطلاح خود قائداعظم نے بھی استعمال کی تھی۔ جب یہ نظام قائم ہوگا، تو اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول ہوگا اور بھوک اور خوف کی کیفیت جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

"جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، اُن سے اللہ کا وعدہ ہے، کہ اُن کو ملک کا حاکم بنا دے گا، جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا، اور اُن کے دین کو جسے اس نے اُن کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد اُن کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔"

اسی طرح نفاذ شریعت کی بدولت آسمان سے بھی برکتیں نازل ہوں گی اور زمین بھی اپنے خزانے اگلے گی۔ سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (آیت:66)

"اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نازل ہوئیں اُن کو قائم رکھتے تو (اُن پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔"

بھوک کا عذاب اگر ختم کرنا ہے اور اگر واقعی، حقیقی خوشحالی لانی ہے، وہ خوشحالی نہیں جو ایک مخصوص طبقے تک محدود ہو، جس سے پندرہ بیس فیصد آبادی فائدہ اٹھا رہی ہے اور باقی سب لوگ خط غربت سے بھی نیچے زندگی گزار رہے ہیں، بلکہ عوامی خوشحالی، تو اس کا واحد راستہ نفاذ اسلام ہے۔ عجیب بات ہے کہ بظاہر ہم سب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بہترین نظام ہے، اللہ نے ہمیں بہترین قانون اور دستور عطا کیا ہے۔ مگر پھر بھی اسے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم جب اس نظام کو قائم کریں گے تب ہی امن وامان بھی ہوگا اور خوشحالی و فراوانی بھی ہو گی، دنیا جنت کا نمونہ بنے گی، اور ہمارا ملک واقعی پوری دنیا کے لیے ایک روشنی کا مینار ثابت ہو سکے گا۔ اگر ہم پوری ہمت کے ساتھ اس رخ پر ہم سفر کا آغاز کر دیں تو ہمارے حالات بدل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

[تلخیص: محبوب الحق عاجز]

اجتماعی توبہ کی ضرورت

عبدالکریم عابد

ایک ممتاز دانشور نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ پاکستان دنیا کی واحد ایٹمی طاقت ہے، جو ہر وقت فرطِ خوف سے کانپتا رہتا ہے۔ان کی یہ بات صرف حکمرانوں پر ہی صادق نہیں آتی، بلکہ دانشوروں، قلمکاروں اور دیگر طبقات کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ بے یقینی کا زہر معاشرتی زندگی میں سرایت کر گیا ہے۔ ملازم کو اپنی ملازمت کا یقین نہیں۔تاجر کو تجارت میں گھاٹے کا اندیشہ ہے، حتیٰ کہ جرنیل جن کو بہادر ہونا چاہیے، وہ بھی اندر سے بزدل ہو گئے ہیں۔اس میں قصور کسی کا نہیں ہے، حالات نے ہر شخص کو خوف زدہ کر رکھا ہے اور انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، خدشات کا شکار ہے۔ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟ انسان ذاتی زندگی میں آڑے وقت میں خدا کا سہارا لیتا ہے، اس سے مدد کا طالب ہوتا ہے اور دعا کے ذریعے طاقت حاصل کرتا ہے۔ کیا فرد کی طرح معاشرے کو بھی اس طاقت کی ضرورت نہیں ہے؟ تاریخِ اقوام کا مطالعہ کریں تو یہ بات معلوم ہوگی کہ اگر کوئی بدعمل اور بدنصیب قوم آفات میں گھر جاتی ہے تو اس حالت میں بھی خدا سے رجوع نہیں کرتی، بلکہ اس کی سرکشی اور غفلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔جب حضرت عمر فاروقؓ کو یرموک کے محاذ جنگ سے اطلاع موصول ہوئی کہ حالات خراب ہیں تو انہوں نے کسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ سالارِ لشکر ابوعبیدہؓ کو خدا کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی اور یہ کوئی رسمی بات نہیں تھی بلکہ حضرت عمرؓ نے اطلاع پر حضرت علیؓ اور اکابر صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ یرموک سے ایسی اطلاعات ملی ہیں، اب کیا ہونا چاہیے؟ اور متفقہ طور پر یہ رائے قرار پا گئی کہ خدا سے مدد مانگی جائے اور صبر و استقامت کے ذریعے ہی رومیوں کو شکست دی جاسکتی ہے۔ جب بدر کے میدان میں تین سو تیرہ کے مقابلے میں ایک بڑا لشکر تھا تو اس وقت بھی اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ سمیت بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز تھے، مشکل جس قدر بھاری تھی، اسی نسبت سے دعاؤں میں گداز تھا۔

اجتماعی خطرے کا وقت دراصل اجتماعی دعاؤں کا ہوتا ہے۔آج کل امتِ مسلمہ پر جو کڑا وقت آیا ہوا ہے اس میں ضرورت یومِ توبہ اور یومِ دعا کی ہے، جو عوامی سطح پر ہو۔ خدا تعالیٰ کو محبوب اور مبغوض قوموں کا فرق یہی ہے کہ مشکل وقت میں خدا یاد آتا ہے یا اس موقع پر بھی یاد نہیں آتا۔ مبغوض قوم کے ہاتھ دعا کے لیے نہیں اٹھتے اور دعا کرتی بھی ہے تو یہ بے اثر ہوتی ہے کہ اس میں وہ سوز و گداز نہیں ہوتا، جو قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ دنیا کی گمراہ قوموں کی تاریخ گواہ ہے کہ عذاب کو آتا دیکھ کر بھی انہیں دعا اور توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، وہ اپنے لھو اور فواحش و منکرات میں مستغرق رہیں۔ان کے دل سے رحمتِ الٰہی کے لیے کوئی پکار نہیں اٹھی۔

اگر افراد مختلف نوعیتوں کے خوف کے سبب غلط بات کے آگے جھک جاتے ہیں تو ایسی قوم کے لیڈر بھی اپنے فیصلے خوف زدگی کی بنیاد پر کرتے ہیں

یونس علیہ السلام کی قوم عذاب سے بچ گئی تھی، حالانکہ انہیں ان کے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام نے عذاب کی اطلاع دے دی تھی اور وہ اس گناہ کی بستی سے بیوی بچوں کو لے کر باہر نکل گئے تھے، لیکن ان کے جانے پر قوم عذاب کی اطلاع پر سنجیدہ ہوئی اور سب لوگ بھی اس بستی سے نکل گئے اور بستی سے باہر مصروف دعا ہو گئے کہ اے اللہ! اب ہم تیرے راستے پر چلیں گے، ہم پر سے عذاب ٹال دے اور واقعی عذاب ٹل گیا۔اس پر خود حضرت یونس علیہ السلام بھی حیران رہ گئے کہ آنسوؤں اور شرمساری نے عذاب کا رخ پھیر دیا۔

اجتماعی زندگی میں غلط روش اور غلط فیصلے افراد کے نہیں ہوتے، یہ قومی ذہن اور کردار کا عکس ہوتے ہیں۔اگر افراد اپنی زندگی میں لالچ کی بنا پر اصولوں سے انحراف کرتے ہیں تو قومی سطح پر بھی یہی ہوتا ہے۔اگر افراد مختلف نوعیتوں کے خوف کے سبب غلط بات کے آگے جھک جاتے ہیں تو ایسی قوم کے لیڈر بھی اپنے فیصلے خوف زدگی کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ یہ خوف اور لالچ ہی ہے جو افراد کی زندگیوں میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور اقوام کو بھی اپنے راستے پر قائم نہیں رہنے دیتا۔آج اگر ہماری یہ صورت حال ہے تو اس کا علاج رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔قوم کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ آنے والے دن اس کے لیے ہرگز اچھے نہیں ہیں اور باطل سے مصالحت کر کے بھی جان نہیں چھوٹے گی۔اگر بچاؤ چاہیے تو پوری قوم دعا اور توبہ کا راستہ اختیار کرے کہ نہ لاف زنی اور شیخی بگھارنے سے عذاب ٹلے گا، نہ بزدلی دکھانے اور ہمت ہارنے سے نجات نصیب ہوگی۔

کچھ عرصہ پہلے ڈان کے سنڈے میگزین میں شفق نورانی کا مضمون ''دعا کی طاقت'' شائع ہوا ہے، وہ لکھتی ہیں کہ دعا کے ذریعے بندے کا رابطہ خدا سے ہو جاتا ہے اور بقول امریکی ماہر نفسیات ولیم جیمس، مذاہب کا جوہر خدا سے دعا ہے۔ شفق نورانی نے اچھی بات لکھی ہے کہ دعا صرف کسی مفاد کو طلب کرنے کی درخواست نہیں ہوتی، یہ خدا سے تعلق جوڑنے والی چیز ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ دعا نہیں ہے، جس طرح فرد کی مضبوط داخلیت اس کی روحانیت کے سبب ہوتی ہے، ایسے ہی قوم کا مضبوط باطنی وجود بھی خدا پر یقین اور ایمان سے تشکیل پاتا ہے۔ دعا انسان کو ہر روز نئی طاقت عطا کرتی ہے اور قوم بھی اس سے ایمان کی تازگی حاصل کرتی ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انفرادی عبادت اور دعا سے زیادہ اہمیت اجتماعی عبادت اور دعا کو دی ہے۔اس لیے آنے والوں دنوں کے مصائب کے پیشِ نظر پوری قوم کو اجتماعی توبہ اور دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، ورنہ مادی اسباب پر ہی نظر رہے تو اس قوم کا بے حوصلہ ہو جانا یقینی ہے، اور جب ہر طرف سے پریشان کن اطلاعات موصول ہو رہی ہوں تو حوصلے کا قائم رکھنا ممکن نہیں ہوتا، الا یہ کہ بندہ دعا کے ذریعے اللہ سے اپنا تعلق جوڑے۔کیا قوم اس کے لیے آمادہ ہوگی؟

(بشکریہ ماہنامہ 'بیداری')

اولوالالباب کے غور و فکر کا حاصل

سورۂ آل عمران کی آیات 190 تا 192 کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی پہلی آیت کے مطابق مظاہرِ فطرت پر تفکر و تدبر کے نتیجے میں ایک ہوش مند اور باشعور انسان کے ہاتھ میں اس کائنات کی گتھی سلجھانے کے لیے الجھی ہوئی ڈور کا جو سرا آتا ہے وہ ہے معرفتِ ربّ، یعنی اس حقیقت کا شعور و ادراک کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو اپنی ذات میں یکہ و تنہا اور بے مثل و بے نظیر بھی ہے اور کمالِ علم، کمالِ قدرت اور کمالِ حکمت سے متصف بھی۔

"بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔"

(آیت:190)

ابھی اس الجھی ہوئی ڈور کو مزید سلجھانا ہے تو لازم ہے کہ وہ ہوش مند اور باشعور انسان الجھی ہوئی ڈور کے اس سرے کو ہاتھ سے نہ چھوڑے، ورنہ ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔ چنانچہ یہی ربط ہے کہ اگلی آیت میں ان دانش مند لوگوں کا یہ وصف بیان ہوا اور ان کی کیفیت کا یہ نقشہ کھینچا گیا کہ:

"وہ لوگ جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں کھڑے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی اور اپنے پہلوؤں کے بل (لیٹے ہوئے) بھی، اور (مزید) غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں"۔

اِن الفاظِ مبارکہ کا مفہوم و مدعا یہ ہوا کہ جب ان اوالالباب نے کتابِ فطرت کے مطالعے، مظاہرِ قدرت کے مشاہدے اور اپنے غور و فکر اور تعقل و تفکر سے اللہ کو پہچان لیا تو پھر وہ ہر دم اور ہر لحظہ اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ذہن و قلب میں ہر آن مستحضر رہتا ہے (اس لیے کہ ذکر اللہ کے معنی "استحضار اللہ فی القلب" ہیں، یعنی دل میں اللہ کی یاد موجود رہے) اور اس سرے کو مضبوطی کے ساتھ ہاتھ میں تھام کر وہ کائنات کے "معمے" کو مزید حل کرنے اور اس الجھی ہوئی ڈور کو مزید سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر اور تعقل و تفکر کا عمل جاری رکھتے ہیں!

آگے بڑھنے سے قبل توجہ کو ذرا اِدھر مبذول کر لیا جائے تو مناسب ہوگا کہ یہاں "ذکر و فکر" جس طرح یکجا صورت میں سامنے آئے ہیں اس کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ انسان کے غور و فکر کا عمل صحیح رُخ پر اُسی وقت آگے بڑھے گا جب یہ دونوں چیزیں بیک وقت موجود ہوں، اس لیے کہ یہ دونوں ایک گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہیں۔ گاڑی ایک پہیے پر نہیں چلے گی، بلکہ اس کے دونوں پہیوں کو لامحالہ حرکت کرنا ہوگی۔ گویا ذکر بھی ہو اور فکر بھی ہو، یہ دونوں ضروری اور لازمی ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ المیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دو حلقے جدا جدا ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو ذکر کی لذت سے تو آشنا ہیں لیکن فکر کے میدان میں قدم نہیں رکھتے، جبکہ کچھ لوگ وہ ہیں جو غور و فکر کی وادی میں تو سرگرداں رہتے ہیں لیکن ذکر کی لذت سے محروم رہتے ہیں، گویا دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہو گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہو رہے۔

آیت زیرِ مطالعہ میں ذکر کی اہمیت کو انسان کی ان تین حالتوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے جن سے امکانی طور پر وہ دوچار رہتا ہے..... یعنی کھڑے ہوئے، جس میں چلنا آپ سے آپ شامل ہے۔ بیٹھے ہوئے، جس میں مشغول ہونا بھی شامل ہے، اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے، جس میں نیند اور بیداری دونوں صورتوں کی استراحت شامل ہے۔ گویا یہ اولوالالباب اللہ کی یاد کا ہر حال میں اہتمام و التزام کرتے ہوئے کائنات کے عقدے کو حل کرنے کے لیے غور و فکر جاری رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں ذکر سے مراد یہ ہے کہ زبان سے اللہ کی تحمید، تسبیح، تہلیل اور تمجید کے کلماتِ مسنونہ کی ادائیگی بھی جاری رہے اور دل میں اللہ کے حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، علیم و خبیر اور حفیظ و رقیب (نگران) ہونے کا یقین بھی موجود رہے۔ اور اس کیفیت کے دوام کے ساتھ ہی وہ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر بھی کرتے رہتے ہیں۔

ذکر و فکر کے اس اختلاط سے وہ اولوالالباب جس نتیجے تک پہنچتے ہیں، اس کو آگے بایں الفاظ بیان فرمایا:

"(وہ پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد (بلاغایت اور بے کار) پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے (منزہ ہے، اعلیٰ ہے، ارفع ہے اس سے کہ کوئی کارِ عبث کرے) پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا!" (آیت:191)

یہاں قدرے تشریح و توضیح کی ضرورت ہے۔ ان اولوالالباب کے سامنے ان کے ذکر و فکر کے نتیجے میں جو حقیقتِ کبریٰ پورے جزم و یقین کے ساتھ ابھر کر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اس کائنات کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی بے مقصد پیدا نہیں کی گئی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ یہ کل کائنات بحیثیت مجموعی اور خاص طور پر اس کا نقطۂ عروج یعنی انسان بے مقصد پیدا کیا گیا ہو اور اس کے افعال و اعمال کا کوئی نتیجہ نہ نکلے؟ چنانچہ یہیں سے اُن کا ذہن مجازات و مکافاتِ عمل اور جزا و سزا کے تصور کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ بات قرآن حکیم میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے ضمن میں بھی آئی ہے:

"اے میرے بچے! (اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ انسان کا کوئی عمل خواہ نیکی کا ہو یا بدی کا) خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی چٹان (کے پیٹ) میں گھس کر کیا گیا ہو، خواہ آسمانوں (کی پہنائیوں) میں خواہ زمین (کی وسعتوں) میں، اللہ اسے لا حاضر کرے گا۔"

لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ع "گندم از گندم بروید جوز جو" کے مصداق نیکی کے نتائج اچھے نکلیں اور بدی کے نتائج برے نکلیں۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں اکثر و بیشتر معاملہ الٹا ہوتا ہے۔ چنانچہ نیکوکاروں کے لیے یہاں مصائب و تکالیف ہیں اور بدکاروں اور حرام خوروں کے لیے عیش و آرام! آپ ذرا سی دیر کو فیصلہ کر کے دیکھ لیجیے کہ مجھے کسی حال میں جھوٹ نہیں بولنا۔ معلوم ہوگا کہ زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ اسی طرح ذرا حرام و حلال کی حدود پر کاربند ہونے کا فیصلہ کر کے دیکھ لیجیے، دو وقت کے کھانے کے لالے پڑ جائیں گے۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے نہ کچھ اصول ہیں، نہ مستقل اقدار ہیں، نہ ہی وہ کسی قسم کی اخلاقی حدود و قیود کے پابند ہیں، بلکہ ان کو جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ دست درازی سے نہیں چوکتے، ان کے یہاں عیش و آرام ہے، ان کے اور اُن کے اہل و عیال کے لیے تمام دُنیوی سہولتیں وافر مقدار میں مہیا ہیں۔ اِن حقائق و واقعات کے مشاہدے سے ہر باشعور اور حساس انسان کے

ذہن میں چند سوالات ابھرتے ہیں کہ آیا یہ دنیا اور اس کی تخلیق ناقص ہے؟ یا یہ خیال کہ ''نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے'' صرف ہمارے ذہن کی اختراع ہے جس کا حقیقتِ نفس الامری سے کوئی تعلق نہیں؟

ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان ان سوالات پر جس قدر غور کرتا ہے، اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک جانب اس کی عقل پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ عظیم کائنات ایک علیم وخبیر، عزیز وقدیر اور حلیم ودانا ہستی کی سنجیدہ اور بامقصد تخلیق ہے...... اور دوسری جانب اس کی فطرت یہ قطعی اور حتمی فیصلہ کرتی ہے کہ نیکی وبدی اور خیر وشر کی اقدار حقیقی وواقعی بھی ہیں اور مستقل اور پائیدار بھی۔ گویا نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے اور دونوں ہرگز برابر نہیں ہیں۔ ازروئے الفاظ قرآنی:

''اور ہرگز برابر نہیں ہے نہ نیکی اور نہ بدی!''

الغرض عقل اور فطرت دونوں کا تقاضا ہے کہ دنیا کی اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہونی چاہیے جس میں اخلاقی نتائج بھرپور طور پر برآمد ہوں، چنانچہ نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا بھرپور صلہ ملے اور بدکاروں کو ان کی بدی کی بھرپور سزا ملے۔ یہ بات سورۃ القلم میں بایں الفاظ مبارکہ فرمائی گئی: ''کیا ہم فرماں برداروں اور مجرموں کو برابر کر دیں گے؟ تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ تم کیسی (غیر معقول) رائے قائم کررہے ہو؟''

چنانچہ یہ ہے ایمان باللہ سے ایمان بالآخرۃ تک کا عقلی سفر کہ جب اولوالالباب اللہ کو یاد رکھتے ہوئے تخلیق کائنات پر غور وفکر کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہاں کوئی شے بے مقصد، بے کار، عبث اور بلاغایت نہیں ہے تو پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ ہماری فطرت اور ہمارے باطن میں نیکی اور بدی اور برّ وتقویٰ اور فسق وفجور کا جو شعور موجود ہے وہ بے نتیجہ اور لاحاصل رہے۔ اس دنیا میں ان کا منطقی اور معقول نتیجہ نہیں نکل رہا، لہٰذا لازماً ایک دوسری زندگی ہونی چاہیے جس میں نیکی اور بدی کے بھرپور نتائج برآمد ہوں، نیکوکاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا ملے۔ جب یہ لوگ اس عقلی نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں تو وہ اللہ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر استدعا کرتے ہیں:

''اے ربّ ہمارے! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے (کہ کوئی عبث کام کرے) پس تو ہمیں (آخرت میں) آگ کے عذاب سے بچائیو۔ اے ربّ ہمارے! (اس آخرت کی زندگی میں) جسے بھی تو نے آگ میں جھونک دیا اسے تو بدرجۂ کامل ذلیل ورسوا کر دیا۔ اور (ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ وہاں) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔'' (آیت: 191، 192)

حاصلِ کلام یہ کہ اِن آیات میں خلاصہ ہے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے عقلی سفر کا۔ یہ قرآن حکیم کا وہ مظہری استدلال ہے جو قرآن مجید کی طویل مکی سورتوں میں تو نہایت شرح وبسط کے ساتھ طویل مباحث کی صورت میں سامنے آتا ہے، لیکن اس مقام پر ان تین آیات میں جس جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے اس کی کوئی دوسری نظیر میرے محدود مطالعے کی حد تک قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اِن آیاتِ مبارکہ کی عظمت و جامعیت کا بیان ایک مختصر صحبت میں قطعاً ممکن نہیں ہے، تاہم امید ہے کہ ان گزارشات کے ذریعے ان کے جلال و جمال کی ایک ادنیٰ جھلک ضرور سامنے آ گئی ہوگی اور اصولاً یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہوگی کہ اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کے ضمن میں قرآن حکیم کا اپنا مخصوص طرزِ استدلال کیا ہے اور وہ تلاشِ حق کے ضمن میں غور وفکر کے لیے کون سا راستہ تجویز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس راہ سے یقینِ محکم عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: دردِ دل

نہیں۔ رہ گئے، انتخابی سیاست میں حصہ لینے والے علماء تو وہ نام نہاد جمہوری جدوجہد کے نشیب وفراز سے تو گزرتے رہتے ہیں۔ اگرچہ ان کی دعویٰ نظام کی تبدیلی کا ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں ان کی ہر تحریک کسی نہ کسی حکومت وقت کو گرانے کے لیے ہوتی ہے۔ گزشتہ دور میں ایم ایم اے کی صورت میں ان علماء کو صوبہ سرحد میں مکمل اقتدار حاصل ہوا اور صوبہ بلوچستان میں نصف، لیکن پانچ سالہ دور حکومت کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی مراعات میں تو یقیناً اضافہ ہوا ہے، لیکن اسلام کو ان دو صوبوں میں کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم میدان سیاست کو فساق وفجار کے لئے خالی نہیں چھوڑ سکتے۔ حالانکہ ساٹھ سال گزرنے کے باوجود ملک میں فساق وفجار کا غلبہ ہے، جس کے نتیجے میں داڑھی اور پردہ کو فرسودگی کی علامت قرار دیا گیا۔ تحفظ حقوق نسواں کے نام پر اسلامی حدود میں ترامیم کی جرأت کی گئی۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے بارے میں فیصلہ کو سبوتاژ کیا گیا۔ مدرسہ حفصہ اور لال مسجد پر یلغار کی گئی اور معصوم طلبہ وطالبات کو شہید کیا گیا اور یہ سب اسمبلیوں میں شامل صاحبان جبہ ودستار کی موجودگی کے باوجود ہوا۔

طبقہ علماء ایک معاشرے کے چاول کا وہ دانہ ہے جس سے دیگر طبقات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان علماء سے وہ کام نہ ہوسکا جو ایک کمزور عورت ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے کر دکھایا۔ ٹھیک ہے کہ اس کے نتیجے میں اس پر وہ سب مراحل گزر گئے جو دین پر استقامت دکھانے اور اس پر مرمٹنے کے نتیجے میں آتے ہیں۔ ہمارے عوام اگرچہ باطل نظام تلے دبے اور پسے ہوئے ہیں لیکن کم از کم وہ عافیہ صدیقی پر ہونے والے ظلم پر احتجاج تو کر سکتے ہیں، ورنہ کم از کم اس ظلم کے نتیجے میں اس باطل نظام اور اس کے علمبرداروں سے نفرت اپنے دل میں پال ہی سکتے ہیں۔ اس کی تعلیم تو ہمارے پیارے نبی ﷺ نے دی ہے کہ اگر تم برائی کو دیکھو تو اسے طاقت سے روکو اور اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے اسے برا کہو، ورنہ کم از کم اپنے دل میں تو ضرور اس کو برا جانو اور اس کے بعد تو دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان باقی نہ رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ برائی کے خلاف نفرت دل میں پالے رکھنے اور اس سے مصالحت نہ کرنے کے نتیجے میں برائی کو ختم کرنے کا داعیہ دل میں موجود رہے گا اور اس کے لیے قوت حاصل کرنے کی جدوجہد بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی سمیت ہر مظلوم کو ظالموں کے چنگل سے نجات دلائے۔ آمین

ندائے خلافت کی قیمت میں اضافہ

ہمارے قارئین اِس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ندائے خلافت جو تنظیم اسلامی کا ترجمان ہے، ایک خالصتاً دعوتی وتحریکی رسالہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی قیمت بہت کم رکھی گئی تھی یعنی صرف 5 روپے۔ کاغذ کی قیمتوں میں اضافے اور پرنٹنگ کے اخراجات میں بڑھوتری کے باوجود گزشتہ سات برسوں کے دوران اس کی یہی قیمت برقرار رکھی گئی۔ لیکن اب ہوش ربا مہنگائی کے سبب ادارہ کے لیے مزید مالی بوجھ برداشت کرنا دشوار ہوگیا ہے۔ اس لیے رسالے کی قیمت میں اضافے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا ماہ ستمبر سے رسالے کی قیمت 5 روپے سے بڑھا کر 10 روپے کی جارہی ہے۔ تاہم وہ حضرات جو دس یا زائد شمارے خریدیں گے انہیں 5 روپے فی شمارہ ادا کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں سالانہ خریدار حضرات کو اب اڑھائی سو روپے کی بجائے تین سو روپے ادا کرنا ہوں گے۔ ادارہ نے جن حالات میں یہ فیصلہ کیا ہے، اُن کی بنا پر امید ہے قارئین اس فیصلہ کو برضا ورغبت قبول کریں گے اور ندائے خلافت کے ساتھ تعاون کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ (ادارہ)

مظلوم کی چیخ

محمد سمیع

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بگرام جیل میں چیخ نے تقریباً ساٹھ مسلم ممالک حکمرانوں پر تو کوئی اثر نہیں کیا، البتہ مغرب کی ایک نومسلم خاتون نے اس چیخ کی خبر کا اتنا اثر لیا کہ اس کی رپورٹ نے دنیا میں کھلبلی مچادی اور امریکہ کو چند دنوں کے اندر اس مظلوم خاتون کو اپنی عدالت میں پیش کرنا پڑ گیا۔ حیرت تو یہ ہے حقوق نسواں کی نام نہاد علمبردار این جی اوز کو گزشتہ پانچ سال کے عرصے میں اس کے حق میں آواز اٹھانے کی توفیق نہ ہوئی اور نہ ہی ان 33 فیصد عوام کی نمائندہ خواتین نے اس کا کوئی اثر لیا جنہیں ہمارے حکمرانوں نے مغرب پر ملک کے سافٹ امیج کو ابھارنے کے لئے یہ موقع فراہم کیا۔ این جی اوز کی خواتین کو تو اس کی توفیق اس لیے نہیں ہوئی کہ حقوق نسواں کی آڑ میں وہ مغرب سے امداد حاصل کر کے انہی کے مقاصد کے لیے کام کر رہی ہیں۔ اسمبلیوں اور بلدیاتی اداروں کی منتخب خواتین کا معاملہ کچھ اس طرح کا نہیں۔ اگر انہوں نے بھی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے حق میں آواز بلند نہ کی تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان کے رویئے بھی سیاستدانوں کے درمیان رہ کر سیاستدانوں جیسے ہی ہو گئے ہیں۔ ہمارے یہ سیاستداں چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی بحالی کے لیے تو پورا زور لگا رہے ہیں حالانکہ ان پر ہونے والی ظلم و زیادتی، اس ظلم و زیادتی کا عشر عشیر بھی نہیں جو ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے ساتھ روا رکھی گئی ہے۔ اور تو اور ان صاحبان جبہ و دستار پر تو سب سے زیادہ حیرت ہوتی ہے جو امریکہ مخالفانہ بیانات پر عوام کے جذبات سے کھیل کر اسمبلیوں تک پہنچتے ہیں لیکن امریکہ کے اس ظلم کے خلاف وہ خاموش رہتے ہیں۔ آخر کس کس کا رونا رویا جائے کہ ان سب کا تعلق ہم جیسی قوم سے ہے جو بے حسی کی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور جس کے حکمران قوم کی بیٹی کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرتے ہیں اور اس کے بدلے ڈالر وصول کرتے ہیں اور بڑے فخریہ انداز میں اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے مظلوموں کی یہ چیخیں جو خواہ بگرام یا لال مسجد سے سے اٹھی ہوں، گوانتاناموبے کے کیمپ سے یا ابوغریب جیل سے بے اثر رہی ہوں۔ اس کا اندازہ اس عوامی قہر و غضب سے لگایا جا سکتا ہے جس کے پرویز مشرف ہدف بنے اور بالآخر رسوا ہو کر انہیں مستعفی ہونا پڑا۔ کاش کہ ہمارے حکمران اس سے عبرت پکڑیں۔

غور کی بات یہ ہے کہ وہ مسلم امہ جسے اللہ تعالیٰ نے بہترین امت کا لقب دیا تھا، آخر اس زوال تک کس طرح پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین امت قرار دے کر اس کے ذمہ جو فرض سونپا تھا ہم نے اس کو ادا نہیں کیا۔ ہمارے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ تم بہترین امت ہو جو عالم انسانیت کے لئے برپا کی گئی ہے (کیوں؟ اِس لیے کہ) تم نیکی

مظلوم کی چیخیں خواہ بگرام کے عقوبت خانے یا لال مسجد سے اٹھیں یا گوانتاناموبے کے کیمپ یا ابوغریب جیل سے، کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ اس کا اندازہ اس عوامی قہر و غضب سے لگایا جا سکتا ہے جس کا پرویز مشرف ہدف بنے اور بالآخر رسوا ہو کر انہیں مستعفی ہونا پڑا

کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہو۔ ہم نے اپنا یہ فریضہ ہر سطح پر ترک کر دیا۔ معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہے۔ خاندان کا سربراہ اب اہل خاندان کو نیکی کا حکم کیا دے گا، برائی سے کیا روکے گا، خود اپنے بچوں کے ساتھ ٹی وی چینل پر ایسے بیہودہ پروگراموں سے لطف اندوز ہوتا ہے جس کا نصف صدی قبل تک کسی مسلمان خاندان کے سربراہ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خاندان کا مربی جو اپنے خوردوکلاں کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و کردار کی نشوونما کا ذمہ دار ہوتا ہے، اگر وہ خود ایسی حرکتوں میں ملوث ہو تو اس کا ان پر کنٹرول کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ قرآن کا حکم تو یہ ہے کہ "بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نار (جہنم) سے"۔ لیکن جب وہ خود اس آگ سے بچنے کی سعی نہیں کر رہا، وہ اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچنے کی تلقین کس طرح کر سکتا ہے۔ اور جب خاندان کی اکائی جو معاشرے کی بنیاد ہے، اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو اس معاشرے کی مجموعی صورتحال کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

اب ذرا خاندان کی سطح سے بلند ہو کر اپنا جائزہ لیں۔ معاشرہ مختلف طبقات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ اللہ کے حضور ہر شخص کو اکیلے اکیلے جواب دہی کرنا ہے اور اس کے نتیجہ میں اپنے اپنے انجام کو پہنچنا ہے۔ لیکن یہ معاشرے کے مختلف طبقات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض ادا کریں، اس طرح کہ فرد کی اخروی بھلائی کی راہ ہموار ہو۔ ان طبقات میں سب سے بڑی ذمہ داری طبقۂ علماء کی ہے جو حامل علم دین ہیں۔ ہمارے علماء میں وہ بھی ہیں جو تعلیم دین میں مصروف ہیں، وہ بھی ہیں جو تبلیغ دین میں ہمہ وقت لگے ہوئے ہیں اور وہ بھی ہیں جو انتخابی سیاست کے میدان میں داخل ہو کر اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ لوگ بڑے خلوص کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر رہے ہوں گے، لیکن انہیں غور کرنا چاہیے کہ عوام کو کون سے دین کی تعلیم دی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں ملک میں اتحاد بین المسلمین کی جگہ فرقہ واریت نے راہ پائی ہے۔ جو علماء دین تبلیغ کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، وہ بلاشبہ دین کے بڑے بنیادی کام یعنی اصلاح و تعمیر سیرت میں لگے ہوئے ہیں، مگر انہیں بھی غور کرنا چاہیے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کی دن رات کی انتھک محنت اور ہزاروں اور لاکھوں افراد کو دین کے بنیادی اعمال میں لگانے کے باوجود معاشرے پر بدی کا غلبہ ہے۔ لیکن معاشرے میں موجود برائیوں کے خلاف آواز اٹھانے کی ان میں جرأت نہیں۔ عوام کا حال یہ ہے کہ معاشرے پر ایک لادینی نظام قائم ہے (جی ہاں جس نظام میں سود، جوا، سٹہ جیسی حرام چیزیں چل رہی ہیں اور ایک حدیث مبارکہ کے مطابق اگر کوئی سود سے بچ بھی نکلے، اس کے غبار سے نہیں بچ سکتا تو ایسے نظام کو لادینی نظام ہی کہا جائے گا) جس کے نتیجے میں وہ پورے کے پورے دین پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے گناہوں سے بچنا بھی انتہائی مشکل ہے۔ لیکن تبلیغی جماعتوں کے وابستگان ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کی کیفیت میں مبتلا ہیں، کیونکہ نظام کی تبدیلی ان کے ہدف میں شامل ہی (باقی صفحہ 10 پر)

یوگوسلاوی مسلمانوں کی حالت عہدِ اشتراکیت میں

سید قاسم محمود

[یہ مضمون بوسنیا و ہرزیگووینا کے مشہور صحافی عبداللہ اسماعیلچ کی رپورٹ سے ماخوذ ہے جو انہوں نے 1984ء میں مرتب کی تھی۔ لہٰذا قارئین محترم ان کے زمانہ حال کو زمانہ ماضی خیال کریں۔ 1991ء میں کمیونسٹ پارٹی کا بوریا بستر گول ہو گیا تھا۔ س ق م]

یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ پارٹی کو سب سے زیادہ دکھ اِس بات سے ہوتا ہے کہ مسلمان کسی عہدے پر پہنچ جائے، بلکہ وہ اِس بات سے بھی جل اٹھتی ہے کہ کسی گاؤں یا قصبے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ چنانچہ کمیونسٹ پارٹی غیر مسلم باشندوں کو بڑے بڑے لالچ دے کر ان شہروں اور قصبوں میں لا کر آباد کر رہی ہے جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی نے کئی شہروں میں قدیم محلوں کے بالمقابل بڑے بڑے نئے محلے کھڑے کر دیئے ہیں، جنہیں ''ماڈل ٹاؤن'' کہا جاتا ہے اور اِن میں غیر مسلموں کو لا کر بسایا جاتا ہے۔ یوگوسلاویہ کے تقریباً تمام شہروں میں یہ اسکیمیں جاری کی گئی ہیں۔ سراجیوو (جس کا پرانا نام سرائے بوسنہ ہے)، سکوپیا اور پرشیتا شہروں میں ایسے محلے جگہ جگہ بنائے گئے ہیں۔ بوسنیا کے اندر ایک ہی اسلامی درس گاہ ہے۔ اس کے قریب ہی خفیہ پولیس کا سنٹر بنایا گیا ہے۔ خفیہ پولیس والوں کی تعداد درس گاہ کے طلبہ کی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ خفیہ پولیس کا آدمی استاد کی اجازت کے بغیر کلاس روم میں داخل ہو سکتا ہے۔ تمام کلاس روموں میں گفتگو سننے کے آلات نصب کیے ہوئے ہیں۔ وہ جس طالب کو اسلامی تعلیم میں سنجیدہ اور محنت کرنے والا دیکھتے ہیں، اُسے جو چاہیں، سزا دے سکتے ہیں۔

کمیونسٹ پارٹی نے مسلمانوں کے اوقاف ضبط کر لیے ہیں۔ یہ اوقاف بوسنیا کے نیک نفس اور صالح حکمران غازی خسرو بک، علی پاشا اور فرہاد پاشا وغیرہ نے جاری کیے تھے۔ اور ان کا مقصد یہ تھا کہ ان سے اسلامی مدارس اور اُن کے طلبہ و اساتذہ کے مصارف ادا کیے جائیں۔ یہ اوقاف اس قدر وسیع تھے اور ان سے اس قدر آمدنی ہو رہی تھی کہ ان کے لیے ایک الگ بنک قائم کیا گیا جسے ''بنک آف اوقاف'' کہا جاتا تھا۔ حکومت نے اسے بھی ضبط کر لیا اور اس کے اندر جو سرمایہ تھا، اُسے لوٹ لیا۔ غازی خسرو بک نے اپنی وصیت میں لکھا تھا کہ ''یہ اوقاف مدارس پر صرف کیے جائیں اور اِن مدارس میں قرآن کریم اور عربی زبان کی تعلیم دی جائے''۔ کمیونسٹ پارٹی نے مسلم اوقاف پر تو ہاتھ صاف کر لیا، لیکن کسی کیتھولک یا پروٹسٹنٹ چرچ کے اوقاف کو چھیڑنے کی ہمت نہ ہوئی، کیونکہ ان اوقاف کے وارث موجود ہیں اور مسلم اوقاف لاوارث ہیں۔

کمیونسٹ پارٹی اِس کھوج میں رہتی ہے کہ کون سا مسلم سٹوڈنٹ عربی زبان میں قابل ہے یا اُسے مذہب اسلام سے بڑی دلچسپی ہے تو وہ اسے دوسری طرح طرح کی ذمہ داریاں پیش کرتی ہے اور بھاری بھرکم تنخواہیں دیتی ہیں، مثلاً ترجمہ اور تعلقاتِ عامہ کی ذمہ داریاں۔ اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمانوں کے درمیان کام نہ کرے اور اسلام کی خدمت کو شعار نہ بنالے۔ جو شخص اس کی پیشکش کو مسترد کر دیتا ہے، اس پر ہر مصیبت ٹوٹتی ہے۔ اُسے غدار اور ریاست کے ساتھ بے وفائی کرنے والا سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہاں تک الزام لگا دیا جاتا ہے کہ یہ انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک الزام ایسا ہے کہ اس کے تحت موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔

کمیونسٹ پارٹی نے ہفت روزہ ''البعث الاسلامی'' بند کر دیا ہے۔ یہ رسالہ ''انجمن مشیختِ اسلام'' کی طرف سے نکلتا تھا۔ الزام یہ تھا کہ یہ رسالہ مذہب کی اشاعت کرتا ہے اور سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ اور بورژوا طبقے کا نظام بحال کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کا صرف یہ ایک ہی اخبار تھا اور وہ بھی ہفت روزہ۔ حالانکہ یوگوسلاویہ میں بکثرت روزنامے ہیں، بلکہ دن میں دو دو بار اخبار نکلتے ہیں۔ جنسی رسائل کی بھرمار ہے۔ کیتھولک چرچ کی طرف سے بھی کئی روزنامے نکلتے ہیں۔ ان تمام اخبارات و رسائل میں کمیونسٹ پارٹی کو کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ اسے صرف مسلمانوں کے ایک ہفت روزے سے خطرات لاحق تھے، اس لیے اسے بھی بند کر دیا گیا۔

حج پر جانے کی بھی بڑی پابندیاں ہیں۔ جو شخص حج پر جانا چاہے، اس سے سونے کی معین مقدار میں سیکیورٹی لی جاتی ہے، تاکہ وہ ضرور واپس آئے اور کسی مسلم ملک میں جا کر آباد نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک مسلمان مرنے سے پہلے حج کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر زندگی بھر جفاکشی کرتا رہتا ہے، تاکہ وہ مطلوبہ مقدار میں سونا اور دیگر مصارف فراہم کر سکے۔ کمیونسٹ پارٹی نے اب (1984ء) مزید پابندیاں عائد کر دی ہیں اور نتیجتاً پچاس لاکھ مسلمانوں میں سے صرف ایک ہزار اشخاص حج سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

کمیونسٹ پارٹی اسلامی تہواروں میں استعمال ہونے والے الفاظ کا بھی دھیان رکھتی ہے، اور پھر اِن الفاظ کی جو چاہے، تاویل کر لیتی ہے اور اس کے مطابق بولنے والے کا محاسبہ کرتی ہے۔ یوگوسلاویہ کے انتہائی فاضل اور خدا پرست شیخ الاسلام حسین جوزو کو اِس بنا پر جیل میں ڈال دیا گیا کہ انہوں نے بقونیا شہر میں ایک دینی تقریب میں مسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''اے برادرانِ اسلام''۔ چنانچہ انہیں مسجد کے اندر ہی گرفتار کر لیا گیا اور سیدھا جیل بھیج دیا گیا۔ حکام کا کہنا تھا کہ ''برادرانِ اسلام'' کے الفاظ صرف اس وقت استعمال کیے جا سکتے ہیں جب ملک کے اندر کوئی سیاسی تنظیم موجود ہو۔

کمیونسٹ پارٹی کو یہ بھی دکھ ہے کہ وہ مسلمان نوجوانوں کو پارٹی سرکل میں لانے میں کامیاب نہیں ہوئی، اور ان نوجوانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لیے اس کی محنت رائیگاں گئی ہے۔ سکولوں میں الحاد اور کمیونزم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ طلبہ تنظیمیں، جن کا ملک کی سیاست پر بڑا وزن ہے، مخلوط اور فحاشی آمیز کیمپ لگاتی ہیں جو کئی کئی ہفتے جاری رہتے ہیں اور کلچرل سرگرمیوں کے نام سے لڑکوں اور لڑکیوں کو اکٹھا رکھا جاتا ہے۔ ریاست کی طرف سے نوجوانوں کو پھندے میں لانے کے لیے رہائشی فلیٹ، تعلیمی وظائف اور دیگر مالی امداد دی جاتی ہے۔ اجتماعی بدکاری کے لیے کلب قائم کیے جاتے ہیں، جن پر بڑی فراوانی سے سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے۔ ان تمام حربوں کے باوجود مسلمان نوجوانوں کو ان کے دین سے نہیں ہٹایا جا سکا۔

کمیونسٹ اقتدار کے بعد جسے چالیس سال ہو رہے ہیں، مسلمان نوجوان اپنے دین کو نہیں بھولا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یوگوسلاویہ میں مارشل ٹیٹو کی سرکردگی میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا۔ مسلمان نوجوانوں نے اپنی نمازوں کے لیے ایک قدیم تاریخی مسجد، جو سراجیو شہر سے بہت دور ہے، ڈھونڈ نکالی۔ اس کی تعمیر و اصلاح کی اور اب وہاں وہ رمضان میں افطاری کا اہتمام کرتے ہیں۔ نماز و تراویح ادا کرتے ہیں۔ تہجد اور تلاوتِ قرآن کا سلسلہ فجر تک جاری رکھتے ہیں۔ اعتکاف کرنے والوں سے یہ مسجد بھر جاتی ہے۔ اس مسجد سے نوجوانوں کو اس قدر دلچسپی ہوگئی کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کی آنکھوں میں چکا چوند کرنے والی ہر پیشکش کو ہیچ سمجھنے لگے۔ یہ دیکھ کر کمیونسٹ پارٹی آپے سے باہر ہو جاتی ہے اور حکام بدحواس ہو جاتے ہیں۔ مسجدوں کو تالا لگا دینے کا حکم جاری کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کا داخلہ مسجد میں بند کر دیتے ہیں۔ حکومت نے اِن تمام نوجوانوں کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی جو اِن سرگرمیوں کے محرک تھے۔ کمیونسٹ پارٹی نے اب اور طرح طرح کے حربے اور ہتھکنڈے مسلمان نوجوانوں کو پارٹی میں لانے کے لیے تراشے ہیں، لیکن ان کا ہر حربہ ناکام رہتا ہے۔ نمازیوں کی تعداد میں نوجوانوں کا تناسب بوڑھوں سے بڑھتا جا رہا ہے۔

کمیونسٹ پارٹی کو اس بات سے بھی صدمہ ہوتا ہے کہ مسلمان دوسری قومیتوں سے ہر لحاظ سے جدا نظر آتے ہیں۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کی چالوں میں نہیں آئے۔ اکثر پاک دامن ہیں۔ اخلاقی برائیوں سے کنارہ کش رہتے ہیں، جبکہ دوسری اقوام اخلاقی پستی میں نچلی سطح تک گر چکی ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ وہ شراب کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتیں۔ جنسی آزادی میں بھی آخری حدوں کو چھو چکی ہیں اور ان میں جنسی امراض کا گراف بہت اونچا جا چکا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ کمیونسٹ پارٹی حکومت کے اندر اپنے پنجے مزید گہرے کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ دوسری قومیتوں کی توڑ پھوڑ سے اپنا راستہ ہموار کر رہی ہے، مگر مسلمان ایک ایسا جن ہیں جو اُن کی بوتل میں نہیں اتر رہا۔ کمیونسٹ پارٹی کی طویل حکمرانی اور دہشت و تشدد کے باوجود مسلمان ہی اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ گو سینکڑوں مسلمان اب تک جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں، مگر وہ کمیونسٹوں کی دہشت گردی کا مقابلہ کیے جا رہے ہیں۔

کمیونسٹ پارٹی یوگوسلاویہ کی دیگر تمام اقوام کے اندر خاندانی روابط اور خاندانی نظام کا تیا پانچا کر چکی ہے، کیونکہ ایک ٹوٹے پھوٹے معاشرے کے اندر اس کے لیے حکمرانی آسان ہو سکتی ہے، مگر مسلمان خاندان پر اس کی سازشیں کارگر نہیں ہوئی ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے خاندانی نظام اور روایات کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے اور جب یہ پارٹی اس سلسلے میں اپنی تمام چال بازیوں میں ناکام ہوگئی تو اس نے ہزاروں مسلمانوں کو جن میں بہترین نوجوان اور علماء بھی ہیں، نذرِ زنداں کرنا شروع کر دیا۔ ماضی میں اُن کے پیشرو بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔

انہوں نے ماضی میں بھی مفتی عصمت مفتیش اور جلیل القدر عالمِ عصمت بوصلاگیچ کو شہید کر دیا تھا۔ مشرقی بوسنیا میں فوجا کی جامع مسجد میں بارہ ہزار سے زائد مسلمانوں کو یکایک موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دریائے دریتا کے قوراجدہ پل پر چھ ہزار مسلمان ذبح کیے۔ تو زلا شہر اور اس کے مضافات میں تین ہزار فرزندانِ توحید کو موت کے گھاٹ اتارا۔ مقدونیہ میں چھ ہزار افراد گولیوں کی بوچھاڑ سے بھونے گئے۔ ''تحقیقاتی عدالتوں'' کے ذریعے بارہ عظیم المرتبت علمائے دین کو پھانسی دی گئی۔ بوسنیا کے بیسیوں علماء جیلوں میں ڈال دیے گئے، جن میں سرفہرست شیخ قسام دوبراچہ تھے۔ ''تحقیقاتی عدالتوں'' کا ڈراما بار بار دہرایا گیا اور ہر بار مسلمانوں کا ایک گروہ تختہ دار پر چڑھایا گیا۔

اب ماہ اپریل 1983ء کے آغاز سے یوگوسلاویہ کے اخبارات مسلمانوں کے خلاف پھر الزام تراشی کر رہے ہیں۔ 12 اپریل 1983ء کے شمارے میں ''پولیتیکا'' اخبار نے چند مسلمان شخصیات پر ریاست کے منافی سرگرمیوں کے ارتکاب کا الزام لگایا ہے، حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں 1949ء میں مختلف مدت کی سزائے قید دی گئی تھی اور پانچ سال سے پندرہ سال جیل کاٹنے کے بعد یہ رہا ہوئے ہیں۔ اب اِن کو دوبارہ جیل بھیج دیا گیا ہے۔ ان میں چند نمایاں لوگ یہ ہیں:

☆ علی عزت بیگووچ، جو بوسنیا کی آزادی کے بعد اُس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ پیشہ وکالت ☆ عمر بہمن (ٹیچر) ☆ رشید برفودا (ماہر معاشیات) ☆ مصطفیٰ اسباہیچ، امام مسجد ☆ ملیحہ صالح بک (خاتون کارکن معاشرتی بہبود) ☆ جولا بیجا (ملازمہ الیکٹرونکس کمپنی) ☆ ادہم بیجا (الیکٹرک انجینئر) ☆ عصمت قاسم (ماہر فلکیات) ☆ حسن کریجیج (امام مسجد)

یوگوسلاویہ کی سرکاری نیوز ایجنسی کے مطابق یہ لوگ ریاست کے خلاف تعصب برتتے ہیں، اور ان پر دفعہ 133 کے تحت مقدمہ چلایا جائے گا۔ اور دوسرا الزام اِن پر یہ ہے کہ یہ ریاست کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں اور باہر کی طاقتوں کے ساتھ ان کے رابطے ہیں۔

یوگوسلاویہ کے اخبارات روزانہ اِس بات پر زور دے رہے ہیں کہ ان اشخاص کو سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے۔ ایک مسلمان نے یہ بیان دیا ہے کہ ان لوگوں پر یہ الزام عائد کیا جانے والا ہے کہ یہ جمہوریہ بوسنیا کے اندر حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے، تاکہ وہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے اور پھر یہ ملک یورپ کے اندر ایک اسلامی جمہوریہ کے طور پر نمودار ہو۔

اِس ظالمانہ سیاست کی وجہ سے یوگوسلاویہ کی معاشی حالت بھی بہت خراب ہو چکی ہے۔ یوگوسلاویہ کے قرضے 19 ارب ڈالر سے بڑھ چکے ہیں۔ حالانکہ ستر کی دہائی میں یوگوسلاویہ تمام یورپی ممالک میں اقتصادی لحاظ سے بہتر تھا۔ اب یوگوسلاوی دینار کی قیمت بہت گر چکی ہے۔ 1975 میں ایک امریکی ڈالر کے 1700 یوگوسلاوی دینا تھے اور اب 6500 دینار ہو چکے ہیں۔ پہلے یوگوسلاویہ کا شہری ملک سے باہر جانے میں آزاد تھا۔ اسے ویزا لینے کی ضرورت نہ تھی، ماسوائے اسرائیل اور سعودی عرب کے۔ اب اس پر پروگریسو ٹیکس لگا دیا گیا ہے۔ چنانچہ جو شخص سال میں پہلی مرتبہ ملک سے باہر جانا چاہے، اسے دو لاکھ دینار ادا کرنے پڑتے ہیں، اور اگر اُسی سال دوبارہ جائے گا تو اس ٹیکس میں اضافہ ہو جائے گا، بلکہ ہر بار کے سفر پر یہ ٹیکس بڑھتا جائے گا۔ اشیائے خوراک کی قیمتیں بہت بڑھ چکی ہیں۔ مارکیٹ سے مکھن، چائے، دودھ اور گوشت ناپید ہو گیا ہے۔ یوگوسلاویہ زرعی ملک ہے اور اقوام متحدہ کی فہرست میں ''ترقی یافتہ'' ممالک میں شمار ہوتا ہے۔

عیسائیوں کو ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہیں۔ یوگوسلاویہ میں اس وقت عیسائیوں کے دو عظیم الشان الٰہیات کالج موجود ہیں۔ ایک آرتھوڈکس فرقے کا اور دوسرا کیتھولک فرقے کا۔ جہاں تک گرجوں اور مسیحی عبادت خانوں کا تعلق ہے، وہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان عبادت خانوں کو نبیذ (شراب کی ایک قسم) تیار کرنے میں مہارت حاصل ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ عمدہ نبیذ حضرت مسیح کا خون سمجھی جاتی ہے۔ کیتھولک چرچ کو ویٹی کن سے بھرپور مالی امداد ملتی ہے۔ اس پر حکومت کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ پادری لوگ باہر ہی سے تنخواہ لیتے ہیں۔ یہودی بھی آزاد ہیں۔ اِس وقت یوگوسلاویہ میں دو ہزار یہودی ہیں۔ ان کی عبادت گاہیں اور کنشت ہر شہر میں نظر آتے ہیں۔ ملک کی اکثر شاہراہیں یہودیوں کے ناموں پر ہیں، مثلاً بلغراد کی موشے پیادا روڈ اتنی ہی بڑی ہے، جتنی خود مارشل ٹیٹو روڈ۔ صرف مسلمان وہ قوم ہے جس کے کسی فرد کو بیرونی دنیا سے رابطے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی کے بارے میں پتا چل جائے کہ وہ کسی مسلم ملک میں گیا ہے تو اس پر مقدمہ چلا کر خوفناک سزا دی جاتی ہے۔ یہ کام صرف کمیونسٹ پارٹی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

(جاری ہے)

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

ایم ایس اختر

اگر کوئی شخص محلے کے غنڈے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر یہ سمجھے کہ اب وہ تمام خطرات سے آزاد ہوگیا ہے تو اس کی اس سوچ کو اس کی بھول ہی قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ غنڈہ ہر حال میں غنڈہ ہی ہوتا ہے۔ اس کی مثال بچھو کے مانند ہوتی ہے جس کی فطرت کو کسی شاعر نے کس خوبصورتی کے ساتھ اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است
اقتضاء طبیعتش این است

یعنی بچھو کا ڈنک کا محرک اس کا کینہ نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کی طبیعت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ کسی بدمعاش کی بدمعاشی کسی کے خلاف کینے کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے۔ ہم نے 9/11 کے بعد امریکہ کی دھمکی سے مرعوب ہوکر اس کے شیطانی لشکر کا ہراول دستہ بن کر یہ سمجھ لیا تھا کہ اب ہم اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اپنے اس فیصلے کے نتیجے میں ہمارے حکمرانوں نے قوم کو جن جن ثمرات کے سبز باغ دکھائے تھے، وہ سب سراب ثابت ہوئے۔ کہا گیا تھا امریکہ کا ساتھ دینے سے ہماری معیشت مستحکم ہوجائے گی، کشمیر کا مسئلہ حل ہوجائے اور ہمارے جنگی اثاثے محفوظ ہو جائیں گے، لیکن ہمیں حاصل کیا ہوا؟ معیشت تباہ ہوگئی جس کے نتیجے میں عوام مہنگائی، بے روزگاری اور امن و امان جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ کشمیر کے لیے لچک دکھاتے دکھاتے ہماری کمر میں خم پیدا ہوگیا لیکن بھارت کے اٹوٹ انگ کے دعوے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور ہمارے جنگی اثاثوں میں اہم ترین ایٹمی قوت کے بارے میں امریکہ اس پروپیگنڈے میں مصروف ہے کہ اس پر اسلامی انتہا پسند قابض ہو جائیں گے اور یہ پروپیگنڈا اس لئے ہے کہ خدانخواستہ وہ ہمارے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کرے تو دنیا کے سامنے اس کا تراشیدہ جواز موجود ہو۔

فاتح قومیں اپنے منصوبے اپنے مشن کی تکمیل سے سالہاسال قبل تیار کرلیتی ہیں۔ لہٰذا امریکی سنٹرل کمان کے اس وقت کے سربراہ جنرل ٹومی فرینک کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے جو اس نے 2002ء میں دیا تھا کہ القاعدہ اور طالبان کے خلاف ہماری زیر قیادت افغانستان کے پڑوس میں آپریشن کی ضرورت ہے۔ افغانستان کے ہمسایہ ممالک سے ہمارے تعلقات اس بات کی اجازت دیں گے کہ ہم یہ کام کریں جس کی ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ امریکہ کے اہلکار کا یہ بیان ہمارے کان کھڑے کرنے کے لیے کافی تھا لیکن ہم تو اس وقت جذبۂ سوز و مستی و جذب و شوق میں مبتلا تھے۔ لہٰذا امریکہ کے اشاروں پر جب ہم نے القاعدہ کو مار مار کر کمزور کردیا اور اب جب کہ امریکہ طالبان کے افغانستان میں مؤثر کنٹرول میں اضافے کی صورتحال سے دوچار ہے تو اس نے کھلم کھلا یہ دھمکی دینی شروع کردی ہے کہ ضرورت پڑنے پر اتحادی فوجیں پاکستان کے قبائلی علاقوں میں آپریشن کرسکتی ہیں۔ پہلے بھی اتحادی فوجیں ہمارے علاقوں میں میزائل حملے کرتی رہی ہیں لیکن ہمارے حکمران اسے "فرینڈلی فائرنگ" ہی سمجھتے رہے بلکہ امریکہ کی دوستی میں "من تو شدم تو من شدی" کی کیفیت میں مبتلا ہوکر اس کی اتحادی افواج کے حملوں کو پاکستانی فوج کے کھاتے میں ڈالتے رہے۔ اب جو یہ صورتحال پیدا ہوئی ہے تو ہر طرف ہاہا کار مچی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ہر کام ایڈہاک بنیادوں پر کرنے کی عادی ہے۔ کسی پیشگی منصوبہ بندی کے تو ہم قائل ہی نہیں، لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ اب جمہوری حکومت بھی حالات سے نمٹنے کے لیے عوام کو اعتماد میں نہیں لے رہی بلکہ بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ وہ اس صورتحال کو سنجیدگی سے لے ہی نہیں رہی، ورنہ ایسے مواقع پر تو حکومتیں عوام میں اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنایا کرتی ہیں۔

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق "پاکستان نے امریکہ کی فوجی قیادت اور سی آئی اے سے شکایت کی ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف ان کی پالیسی دہشت گردی کے خلاف امریکہ کے اعلان شدہ عزم سے مطابق نہیں رکھتی۔ ناقابل تردید سرکاری ذرائع نے کہا ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کے لیے امریکہ کی خاموش رضامندی کی مضبوط شہادت اور واقعاتی ثبوت پر مشتمل خاص باتوں سے 12 جولائی کو راولپنڈی میں سابق صدر پرویز مشرف، چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی اور ڈی آئی جی، آئی ایس آئی لیفٹننٹ جنرل ندیم تاج نے امریکی چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف ایڈمرل مائیکل مولن اور سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر اسٹیفن آر کیپی کو اپنی علیحدہ علیحدہ ملاقاتوں میں آگاہ کردیا تھا۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ امریکہ کے سینئر ترین فوجی اہلکار کے سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کے ہمراہ کئے جانے والے دورے نے، جس میں بھارتی اثرات کی حامل خفیہ معلومات بھی ان کے پاس تھیں، پاکستانی سیکیورٹی اسٹیبلشمنٹ کے اس عزم کو مزید پختہ کردیا ہے کہ پاکستان کی قومی سلامتی کے مفادات کو مقدم رکھا جائے، خواہ اس کا مطلب امریکہ اور نیٹو کے ساتھ تعلقات میں تناؤ ہی کیوں نہ ہو۔ ان ملاقاتوں سے براہ راست آگاہی رکھنے والے ایک سینئر اہلکار نے بغیر کسی اختلاف کے کہا کہ پاکستان کی فوجی قیادت اور صدر نے اپنے امریکی مہمانوں سے کہا کہ وہ امریکہ اور افغانستان کے لیے "دہشت گرد" اور پاکستان کے لیے "دہشت گرد" میں کوئی تفریق نہ کریں۔ پاکستانی اہلکار نے کہا کہ لینگلے، پینٹاگون اور سی آئی اے کا ہیڈکوارٹر ہی یہ بات زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کیوں امریکی بلوچستان میں "دہشت گردی" کے منبع کو جو کابل میں قائم ہے ختم کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے لیے پریڈیٹر (بغیر پائلٹ جاسوس طیارہ)

12 جولائی کو پاکستان کے اعلیٰ احکام نے امریکی سیکیورٹی اسٹیبلشمنٹ کو مضبوط شہادتوں کی بنیاد پر کابل میں افغان انٹیلی جنس کے سیف ہاؤس میں برہمداغ بگٹی کی موجودگی، اس کے نئی دہلی کے دورے کی تصاویر اور بلوچستان میں دہشت گردی کرانے کے لیے اس کی جانب سے احکامات جاری کرنے کے ثبوت فراہم کیے

کے وسائل کو مختص کرنا چاہتے ہیں، تاکہ پاکستان کی فوجی اسٹیبلشمنٹ کے خلاف خودکش حملوں کے سربراہ کو جو اب پاک افغان سرحد کے نزدیک روپوش ہے، غیر مؤثر کیا جاسکے۔ دونوں ملکوں کے مابین نائن الیون کے بعد اسٹریٹجک اتحاد کے بعد امریکی سیکیورٹی اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ مضبوط ترین شہادتوں کی بنیاد پر آمنے سامنے ہونے والی ملاقات میں پاکستانی حکام نے کابل میں افغان انٹیلی جنس کے سیف ہاؤس میں برہمداغ بگٹی کی موجودگی، اس کے نئی دہلی کے دورے کی تصاویر اور بلوچستان میں دہشت گردی کرانے کے لیے اس کی جانب سے احکامات جاری کرنے کو ثابت کیا۔ امریکہ کے اعلیٰ فوجی کمانڈر اور سی آئی اے کے اہلکار سے یہ بھی پوچھا گیا کہ کیوں سی آئی اے جاسوس طیارے اڑاتی ہے اور امریکی فوج اس وقت کوئی اقدام نہیں کرتی، جب انھیں بیت اللہ محسود کی موجودگی کی بالکل درست اطلاع دی جاتی ہے۔ بیت اللہ محسود پاکستان کا دشمن نمبر ایک ہے اور جون 2006ء کے بعد سے آئی ایس آئی اور پاک فوج کے خلاف تقریباً ہر خودکش حملے کا ماسٹر مائنڈ ہے۔ ایسی ہی ایک بالکل درست اطلاع اس سال 24 مارچ کو اس وقت سی آئی اے کو فراہم کی گئی تھی جب بیت اللہ محسود جنوبی وزیرستان کی دور دراز چوکی پر اپنی ٹویاٹا لینڈ کروزر میں پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرنے گیا اور پھر اپنے محفوظ مقام پر واپس چلا گیا۔ امریکی فوج کے پاس یہ صلاحیت تھی کہ وہ بہت مختصر نوٹس پر بالکل درست مقام پر میزائل داغ سکتی تھی، جیسا کہ اس نے گزشتہ چند برسوں کے دوران پاکستان کے اندر القاعدہ کے اہداف کو تقریباً 20 مرتبہ نشانہ بنایا۔ پاکستانی حکام بیت اللہ محسود کے پاس انتہائی جدید ترین مواصلاتی آلات کی موجودگی کے حوالے سے طویل عرصے سے حیرت کا شکار ہیں۔ ان مواصلاتی آلات کی مدد سے بیت اللہ محسود اس قابل ہو چکا ہے کہ وہ پاکستانی فوجی دستوں کی نقل و حرکت کے بارے میں بالکل درست معلومات حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ کام غیر شناخت شدہ غیر ملکی وسائل سے اس طرح ہوتا ہے کہ اس کو پاکستانی انٹیلی جنس پکڑ نہیں پاتی۔ ایڈمرل میوان اور سی آئی اے کے اہلکار نے 12 جولائی کو پاکستان کا غیر علانیہ دورہ کیا تاکہ امریکی میڈیا کے کہنے کے مطابق طالبان کمانڈر مولانا سراج الدین حقانی کے آئی ایس آئی سے تعلقات اور کابل کے بھارتی سفارت خانہ پر حملے میں پاکستانی ایجنسیوں کے مبینہ طور پر ملوث ہونے کے شواہد دکھائے جائیں۔ پاکستانی فوجی رہنماؤں کے کابل میں حملے کے امریکی شواہد اور معلومات کو ناقص قرار دیا۔ تاہم مولانا حقانی کے ساتھ بات چیت کا دروازہ کھلا رکھنے کے لیے دلائل دیئے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے برطانوی حکومت نے گزشتہ سال جنوبی افغانستان میں کچھ طالبان رہنماؤں سے بات چیت کا دروازہ کھلا رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس سال مارچ میں ہلمند صوبے میں طالبان کے ساتھ بات چیت کی نئی راہیں کھولنے سے قبل برطانوی اور نیٹو فورسز کے افغانستان کے لیے یورپی یونین کے مشن کے قائم مقام سربراہ مائیکل سیمپل اقوام متحدہ کے ایک سینئر اہلکار مرون پٹرسن کے ذریعہ، جنھیں اس سال جنوری میں کرزئی حکومت نے ملک سے بیدخل کر دیا تھا، طالبان رہنماؤں سے بات چیت کر رہے تھے۔ امریکی مہمانوں کو یہ بھی بتایا گیا کہ حکومت پاکستان کو اپنے مغوی سفیر طارق الدین عزیز کی رہائی کے لیے طالبان کمانڈروں جیسے سراج الدین حقانی کی اس وقت مدد حاصل کرنی پڑی تھی جب امریکی حمایت یافتہ کرزئی انتظامیہ افغانستان میں عزیز کو رہا کرانے میں ناکام ہو گئی تھی۔ ایڈمرل میوان اور کیپس کو جلال آباد اور قندھار میں بھارتی قونصل خانوں کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئیں اور ان سے دریافت کیا گیا کہ سی آئی اے کیوں یہ بات نہیں جانتی کہ دونوں بھارتی قونصل خانوں کی حفاظت بھارتی انٹیلی جنس کرتی ہے اور یہ 24 گھنٹے پاکستان کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ 12 جولائی کو ہونے والی ملاقات کے دوران امریکیوں کو بتایا گیا کہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک متحرک شریک کار کی حیثیت سے کام جاری رکھنے کا خواہشمند ہے اور کسی بھی قیمت پر اپنی سرزمین کو افغانستان یا بھارت کے خلاف دہشت گردی کی سازش کرنے کے لیے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ لیکن قدرتی طور پر پاکستان بھی یہ چاہتا ہے کہ امریکہ بھارت اور افغانستان پاکستان میں دہشت گردوں کی حمایت کرنے سے باز رہیں۔ پاکستانی حکام نے کہا ہے کہ پاکستانی اور امریکی سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ کے مابین اعتماد کا بحران اس قدر سنگین نہیں ہے کہ اس کے مکمل خاتمے کی پیشین گوئی نہ کی جاسکے، لیکن شک کا عنصر بڑھ رہا ہے اور اس کی بنیادی وجہ سی آئی اے کی جانب سے پاکستان کے ساتھ خفیہ معلومات کے تبادلے کو عام کرنے کا فیصلہ اور نئی حکومت کے ساتھ اس کی اثر پذیری کو استعمال کرتے ہوئے فوج اور آئی ایس آئی کا بازو مروڑنے کی کوشش کرنا ہے۔ حکام نے کہا کہ پاکستانی سیکیورٹی اسٹیبلشمنٹ انتہادیوں کے گہرے قومی سلامتی کے مفادات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے امریکی ہم منصبوں کے ساتھ اسٹریٹجک مذاکرات کا تازہ دور چاہتی ہے جس میں لازماً 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ میں دہشت گردوں کے اہداف اور مقاصد کو ترجیح دی جائے۔"

قارئین! آپ نے دیکھا کہ "دہشت گردی" کے خلاف نام نہاد عالمی اتحاد کا ہراول دستہ بن کر ہمیں کیا حاصل ہوا۔ ہم خود دہشت گردی کا شکار ہیں اور جن کے ہم اتحادی ہیں وہ نہ صرف اس کا تدارک کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ ان کے رویئے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسا چاہتے ہی نہیں اور پھر پوری دنیا میں پروپیگنڈے کے ذریعے ملک کو دہشت گردوں اور دہشت گردی کا گڑھ قرار دیا جا رہا ہے۔ ہم نے اس اتحاد میں اپنے حساس اثاثوں کی حفاظت کے لیے شرکت کی تھی لیکن ہمارا اتحادی ایٹمی تعاون کے لیے ہمارے ازلی دشمن بھارت سے معاہدہ کر رہا ہے۔ اس کے باوجود ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنی جنگ قرار دے رہے ہیں۔ ہم نے امریکہ کو سپر پاور بنانے میں اپنا کردار ادا کیا اور پھر اسی کو سپر پاور سمجھ لیا۔ لہٰذا دنیا کی اصل سپر پاور نے ہمیں اس عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس سے نکلنے کا راستہ صرف یہ ہے کہ اللہ کے حضور خلوص دل سے توبہ کی جائے۔ اپنی زندگیوں کو قرآن و سنت کی تعلیمات کا پابند کیا جائے اور مملکت خداداد پاکستان کو دنیا میں ایک مثالی اسلامی ریاست بنانے کی جدوجہد کی جائے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی، گلستان جوہر کے معتمد جناب طارق سعید کا آپریشن ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

قارئین سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

دعائے مغفرت کی درخواست

- تنظیم اسلامی نیو ملتان کے امیر انجینئر محمد عطاء اللہ خان کے والد محترم وفات پاگئے
- تنظیم اسلامی اسلام آباد شمالی کے مبتدی رفیق سید ایاز علی وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقائے تنظیم اسلامی اور قارئین ندائے خلافت سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

وہ رجا رہا ہے مگر.....

ترئین اختر

پرویز مشرف کا متوقع استعفیٰ تو آ گیا مگر اب اس سے بھی بڑا مسئلہ یہ ہے کہ چھوڑ دیا جائے یا قید کیا جائے..... بول تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ 16 اگست ہفتے کو خبر دی تھی کہ فریقین اور ضامنوں کے درمیان پرویز مشرف کو چک شہزاد فارم ہاؤس پر رکھنے کی بات بھی ہو رہی ہے اور اس کی خواہش خود پرویز مشرف نے ظاہر کی ہے مجھے اس کا تو علم نہیں کہ فیصلہ کیا ہوا یا ہوگا مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ تجویز دونوں فریقوں کے لیے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ حکمران اتحاد کو مواخذے سے بڑا چیلنج محفوظ راستے کا درپیش ہے۔ پرویز کو جانا تو تھا مگر عوام صرف مواخذہ نہیں محاسبہ بھی چاہتے ہیں، حساب مانگتے ہیں، اپنے گمشدہ پیاروں کا، آگ اور لوہے کی بارش میں جل مرنے والے اپنے جگر گوشوں کا، بم دھماکوں میں چیتھڑے ہو کر اڑ جانے والے اپنے بیٹوں کا، چند ڈالروں کے عوض فروخت کر دیئے جانے والے بے گناہوں کا، نام نہاد دہشت گردی کی جنگ میں لٹ جانے والی عصمتوں کا، اپنے خالی پیٹوں کا اور بلال مشرف کے 20 ارب ڈالر کا، غربت کی وجہ سے بیچے جانے والے جسموں کا اور تنگدستی کے باعث ماں باپ کے ہاتھوں مارے جانے والے معصوم بچوں کا، آئین کے خلاف بغاوت کا، منتخب وزیراعظم (نواز شریف) کا تختہ الٹنے کا اور سابق وزیراعظم بے نظیر کے قتل کا۔

پتہ نہیں پرویز مشرف کے کسی بیچ میٹ نے انہیں بتایا یا نہیں کہ فوجیوں کے شہر راولپنڈی کے در و دیوار پر ان کے متعلق کیا لکھا ہے۔ نوشتۂ دیوار تو ایک محاورہ ہے۔ جرنیلوں کے شہر میں باقاعدہ دیواروں پر لکھا ہے کہ پرویز مشرف فلاں ہے، پرویز مشرف فلاں ہے، اس لیے ہم شروع سے کہتے آئے ہیں کہ پرویز مشرف کا جانا مسئلے کا حل نہیں، حل یہ ہے کہ ان پر لگے الزامات کا حساب لیا جائے۔ اس بار عوام قبول نہیں کریں گے کہ سویلین کے ساتھ کچھ اور ملٹری والے کے ساتھ کچھ اور سلوک ہو۔ قانون اور آئین کی بات کرنا ہے تو سب کے لیے کریں، یہاں ہوتا کیا رہا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو غلط کیس بنا کر ناحق عدالت کے ذریعے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اکبر بگٹی آمر کے سامنے جھکنے سے انکار کرتے ہیں تو پہاڑ کو قبر بنا دیا جاتا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر کے گھر گھس کر اس کا ریپ کیا جاتا ہے اور بجائے مجرموں کی نشاندہی کر کے انہیں پکڑنے اور سزا دینے کے مدعی ہی کو غائب کر دیا جاتا ہے، کیونکہ تحقیق و تفتیش کی

اگر حکمران اتحاد پرویز کو استعفے کے بعد ایسے ہی جانے دیتا ہے تو پھر ان کی بھی خیر نہیں۔ عوام پرویز مشرف کو مجرم سمجھتے ہیں تو وہ مجرم کو سزا دیئے بغیر بھگا دینے والوں کو کیسے چھوڑ دیں گے؟ قانون تو ان کو بھی مجرم گردانتا ہے جو مجرم کو بچانے میں اس کی مدد کریں اور فرار کرا دیں

صورت میں ان کی بدنامی ہوگی، جو اللہ میاں سے لکھوا کر لائے ہیں کہ یہ فرشتے ہیں، کوئی غلط کام نہیں کر سکتے۔ بے نظیر بھٹو کو سڑک پر خون میں نہلا دیا جاتا ہے۔ منتخب وزرائے اعظموں کو ہتھکڑیاں لگا دی جاتی ہیں اور قلعوں کے تہہ خانوں میں اس طرح بند کر دیا جاتا ہے جیسے وہ کوئی ملک دشمن عناصر ہوں اور خود جو مرضی گل کھلاتے رہیں، انہیں کچھ نہیں کہنا، بس جانے دینا ہے، کیا بات ہے۔

حکمران اتحاد کے لیے یہ بہت بڑا سوال ہے کہ ایوان صدر سے نکلنے کے بعد پرویز مشرف کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس بات کا دونوں کو بخوبی احساس ہے کہ عوام رخصتی ہی نہیں سزا بھی چاہتے ہیں مگر اس پر کلیئر صرف نواز شریف ہیں جن کا موقف ہے کہ وہ اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتیاں تو پرویز مشرف کو معاف کر سکتے ہیں مگر ملک اور قوم کے ساتھ جو کھلواڑ انہوں نے کیا، اسے معاف کرنے کا اختیار صرف اور صرف قوم کا ہے اور قوم پرویز مشرف کو معاف نہیں کرنا چاہتی۔ چند روز قبل ان کے ساتھی خواجہ سعد رفیق بھی یہی بات کر رہے تھے۔ ایک مذاکرے میں عوامی نیشنل پارٹی کے ترجمان زاہد خان، ممتاز پارلیمنٹیرین میاں عبدالستار اور راقم شریک تھے۔ مجھ سے سوال ہوا کہ اس بات کے کتنے امکانات ہیں کہ پرویز مشرف ایسے ہی چلے جائیں گے اور الزامات کا سامنا نہیں کریں گے۔ اس پر میرا موقف یہ تھا کہ پرویز مشرف باقی آمروں سے مختلف واقع ہوئے ہیں۔ پھر ان کو اپنے کمانڈو ہونے کا بھی بڑا زعم ہے، اس لیے مہم جوئی کر سکتے ہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ وہ سامنے آ جائیں اور کہیں ''لائیں میرے خلاف کیا الزامات ہیں؟'' اس پر خواجہ سعید رفیق کا موقف بھی ملتا جلتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''پرویز مشرف نے 8 سال تک اس ملک اور قوم کے ساتھ جو ظلم کیے ہیں ان کا تقاضا یہی ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں آ کر جواب دیں''۔ علاج یہی ہے کہ وہ قوم کو جواب دیں۔ خود نہ آئیں تو بھی انہیں پکڑ کر پارلیمنٹ کے روبرو پیش کر دیا جائے جیسے انہوں نے نواز شریف کو پولیس اور فوجیوں کے ہاتھوں عدالتوں، جیلوں اور قلعوں میں رسوا کیا تھا۔ صفائی کا پورا موقع دے کر سابق صدر کو سزا سنا دی جائے کیونکہ ویسے تو سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔ ہمارے کہنے کی بات نہیں یہ تو زبان خلق کہہ رہی ہے کہ وہ کیا ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ زبان خلق اب کہنے لگی ہے اور ہم نے ''2002'' ہی میں لکھا دیا تھا کہ ''قہر ٹوٹے گا اور ایسا ٹوٹ کر برسے گا کہ نام نہاد فرنٹ لائن کے تمام بند بہا کر لے جائے گا''۔ جب غزنی سے علاج کے لیے معصوم بچے پاکستان آنا چاہ رہے تھے، مگر فرنٹ لائن اتحادیوں نے سرحد پر ہی روک لیا اور وہ دسمبر کی سردی میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے۔

اب اگر حکمران اتحاد پرویز کو استعفے کے بعد ایسے ہی جانے دیتا ہے تو پھر ان کی بھی خیر نہیں۔ عوام پرویز مشرف کو مجرم سمجھتے ہیں تو وہ مجرم کو سزا دیئے بغیر بھگا دینے والوں کو کیسے چھوڑ دیں گے؟ قانون تو ان کو بھی مجرم گردانتا ہے جو مجرم کو بچانے میں اس کی مدد کریں اور فرار کرا دیں۔ تو یہ بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے، حکمران اتحاد کریں تو کیا کریں۔ ہماری رائے میں ابھی بھی انہیں پارلیمنٹ کے روبرو پیش (باقی صفحہ 19 پر)

مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو، لاہور میں چالیس روزہ فہم دین کورس

گرمیوں کی تعطیلات میں دعوت الی اللہ کی غرض سے مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں چالیس روزہ فہم دین کورس کا انعقاد کیا گیا۔ کورس کا آغاز 23 جون سے ہوا، جبکہ اختتام 6 اگست کو ہوا۔ 8 اگست کو مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں خصوصی طور پر امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے شرکت کی۔ اس کورس کے انعقاد سے پہلے جگہ جگہ بینرز لگوائے گئے، پمفلٹ کی تقسیم ہوئی۔ مختلف مساجد، کالجوں، اکیڈمیوں اور بڑے پلازوں میں پوسٹرز چسپاں کیے گئے۔ اس کے علاوہ کیبل پر اشتہار بھی چلایا گیا۔ اس کورس کے نصاب میں ترجمۃ القرآن، ابتدائی عربی گرائمر، تجوید القرآن، حدیث کا مطالعہ اور سیرت النبی ﷺ کی تدریس شامل کی گئی۔

ترجمۃ القرآن کی تدریس محترم شکیل نے کی۔ تجوید القرآن کا پیریڈ حافظ جاسم لیتے رہے۔ عربی گرائمر پڑھانے کی ذمہ داری محترم عدیل آفریدی نے سرانجام دی۔ مطالعہ حدیث کے پیریڈ میں حافظ خباب منتخب احادیث کے کتابچے سے مختلف موضوعات پر آنے والی احادیث پر لیکچر دیتے رہے۔ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ بھی حافظ صاحب ہی کراتے رہے۔

متذکرہ مضامین اور موضوعات کی تدریس کے علاوہ اِس کورس میں کچھ اضافی محاضرات بھی ہوئے، جن کی تفصیل یہ ہے۔

دینی فرائض کا جامع تصور (شکیل احمد)، دین کا ہمہ گیر تصور (حافظ خباب)، انسان کی تخلیق کا مقصد اور دنیا کی مذمت (محمد عاصم)، فکر آخرت: سورۃ الکہف کی روشنی میں (حافظ عاطف)، منہج انقلاب نبوی ﷺ (حافظ خباب)، فکر آخرت (رحمت اللہ بٹر)، تواضع (رشید ارشد)، نبی ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں (حافظ عاطف)، مسائل (وضو، نماز، نماز جنازہ، غسل وغیرہ) (شکیل احمد)

(مرتب: محمد عاصم جہانگیر بیگ)

تنظیم اسلامی جار کے زیر اہتمام دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی جار کے زیر اہتمام جندول ضلع دیر (گاؤں شالکنڈئی) میں ایک دعوتی پروگرام ہوا، جس میں گاؤں کے لوگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ سب سے پہلے شیر محمد حنیف کا خطاب ہوا، جو جمعہ کا خطاب تھا۔ انہوں نے سورۃ الصف کی آخری آیات کی وضاحت کرتے ہوئے فرائض دینی کو شرکاء کے سامنے واضح کیے۔ بعد نماز جمعہ مسجد کے امام صاحب مولانا ابوزبیر نے دوسرے پروگراموں کا اعلان کیا۔ نماز جمعہ کے بعد راقم نے ''منہج انقلاب نبوی ﷺ'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ خطاب جمعہ میں شرکاء کی تعداد تقریباً 120 تھی، جس میں سے تقریباً 80 افراد نے بعد کے پروگرام میں بھی شرکت کی۔ اس پروگرام میں ہمارے میزبان مولانا ابوزبیر تھے۔ انہوں نے پروگرام کے سلسلے میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا، بعدازاں انہوں نے ہماری پرتکلف مہمان نوازی کی۔

(مرتب: محمد نعیم)

تنظیم اسلامی دیر بالا کی دعوتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی دیر بالا کے زیر اہتمام 19 جولائی 2008ء کو بعد نماز ظہر شالیمار مسجد دیر خاص میں ایک دعوتی نشست منعقد ہوئی، جس میں ناظم دعوت حلقہ سرحد شمالی ڈاکٹر فیض الرحمٰن نے عبادت رب کے موضوع پر قرآن وحدیث کی روشنی میں خطاب کیا۔ اس نشست میں تقریباً 150 افراد شریک تھے۔

دوسری نشست اِسی روز نماز عصر کے بعد علاقہ براول بانڈی کی جامع مسجد میں منعقد ہوئی، جس میں فیض الرحمٰن نے فرائض دینی کے جامع تصور پر مفصل گفتگو کی۔ انہوں نے نفاذ شریعت محمدی ﷺ، اس کے طریقہ کار اور داعی کے کردار کو واضح کیا۔ مقرر نے آخر میں تنظیم اسلامی کا تعارف بھی کرایا۔ اس نشست میں تقریباً 260 افراد نے شرکت کی۔

لوگوں نے تنظیم اسلامی کے انقلابی منہج کو بے حد پسند کیا، اور علاقہ براول میں ماہوار بنیادوں پر تنظیم کے پروگراموں کے انعقاد کی خواہش ظاہر کی۔ مسنون دعا پر اِس پروگرام کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: لائق سید)

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی اُسرہ تیمر گرہ کے دعوتی پروگرامات

یکم اگست 2008ء کو تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی اسرہ تیمر گرہ کے زیر اہتمام ایک دعوتی اجتماع جامع مسجد نظام آباد (ملاکنڈ پائین) میں منعقد ہوا۔ مقامی احباب کو پروگرام میں شرکت کرنے کے لیے پہلے ہی دعوت دے دی گئی تھی۔ لیکچر دینے کے لئے باجوڑ سے جناب ڈاکٹر فیض الرحمٰن کو مدعو کیا گیا تھا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز جمعہ ہوا۔ سب سے پہلے شاہ وارث نے اپنے تمہیدی کلمات میں اس بات کی وضاحت کی کہ اقامت دین کی جدوجہد کوئی نفلی عبادت نہیں بلکہ ایک اہم فریضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہم دین اسلام کو عملی طور پر قائم نہ کر سکے، جس کا خمیازہ آج پوری اُمت بھگت رہی ہے۔

ڈاکٹر فیض الرحمٰن نے ''اقامت دین کا نبویؐ طریقہ کار'' کے موضوع پر خطاب کیا، جو تقریباً 90 منٹ تک جاری رہا۔ مقامی رفقاء کے علاوہ محلے اور قریبی گاؤں سے آئے ہوئے تقریباً 60 افراد نے بھی اس اجتماع میں شرکت کی۔ اس خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ پروگرام کا اختتام ساڑھے چار بجے چائے کے وقفے پر ہوا۔ مشران اور زعماء نے مقامی رفقاء کو اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا، اور اس اُمید کا اظہار کیا کہ وہ آئندہ کے لئے دعوتی سرگرمیاں تیز کریں گے۔

(مرتب: یاسین مشوانی)

باجوڑ کے متاثرہ رفقاء واحباب کی مدد کی اپیل

باجوڑ ایجنسی اور ملحقہ علاقوں میں فوجی کارروائی اور امریکی مداخلت کے نتیجے میں امن وامان کی سنگین صورت حال کے باعث وہاں مقیم رفقاء واحباب نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ان کے لیے مرکز تنظیم اسلامی تیمر گرہ میں ایک خیمہ بستی بسانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ متاثرین کو رفقاء کے گھروں میں بھی ٹھہرایا گیا ہے۔ مرکز تنظیم اسلامی میں ان حضرات کے لیے ایک فنڈ قائم کیا گیا ہے۔

تمام قارئین واحباب سے پُرزور اپیل ہے کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

المعلن: مرکز تنظیم اسلامی، 67۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور
فون: 6316638-6366638 (042) فیکس: 6271241
ای میل: markaz@tanzeem.org

لبنانی کابینہ کی منظوری

لبنان کی پارلیمنٹ نے 30 رکنی کابینہ کی منظوری دے دی ہے۔ یوں کئی ماہ کے سیاسی بحران کے بعد آخر کاروبار حکومتی دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ منظوری کی حمایت میں 100 ارکان نے ووٹ ڈالے۔ مخالفت میں 5 ووٹ پڑے جبکہ 2 ارکان غیر حاضر رہے۔ لبنانی پارلیمنٹ میں کل 128 نشستیں ہیں۔

کابینہ پر بحث کے دوران سب سے زیادہ سوال و جواب حزب اللہ کے ہتھیاروں پر ہوئے۔ مغربی دنیا اور سنی عرب ممالک چاہتے ہیں کہ حزب اللہ اپنے ہتھیاروں سے دستبردار ہو جائے مگر یہ لبنانی جماعت ایسا کرنے سے انکاری ہے۔ حزب اللہ کا کہنا ہے کہ ابھی اسرائیل کے خلاف تحریک جاری ہے اور وہ غیر مسلح ہونا برداشت نہیں کر سکتی۔

خالدہ ضیاء کا انکار

بنگلہ دیش کی سابق وزیراعظم بیگم خالدہ ضیا نے بحیثیت ووٹر اپنی رجسٹریشن کرانے سے انکار کر دیا ہے۔ موصوفہ کو فوج کی حمایت سے بننے والی عبوری حکومت نے کرپشن کے الزامات پر کئی ماہ سے قید کر رکھا ہے۔ گویا یہ فوجی حکومت کے خلاف بیگم خالدہ کا انوکھا احتجاج ہے۔ بنگلہ دیشی عبوری حکومت کی کوشش ہے کہ آئندہ پارلیمانی انتخابات میں بیگم خالدہ ضیا کی بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی اور بیگم حسینہ واجد کی عوامی لیگ ضرور حصہ لیں تاکہ انہیں متنفر بنایا جا سکے۔ تاہم حکومت سر توڑ کوشش کے باوجود ابھی تک بیگم خالدہ ضیاء کا اندراج بحیثیت ووٹر نہیں کر سکی۔

شاہ عبداللہ کا دورۂ عراق

پچھلے ہفتے اردن کے شاہ عبداللہ نے عراق کا دورہ کیا۔ صدام حسین کے جانے کے بعد یہ کسی عرب ملک کے سربراہ کا پہلا دورۂ عراق تھا۔ عراقی کٹھ پتلی حکومت نے اس دورے کو تاریخی قرار دیا اور کہا کہ اب ہمارے پڑوسیوں کو احساس ہونے لگا ہے کہ عراق دوبارہ ابھر رہا ہے۔

شاہ عبداللہ کا یہ دورہ شاید امریکہ کی ایما پر ہوا ہے۔ دراصل امریکی عراق میں بڑھتے ایرانی اثر و رسوخ سے خائف ہیں جہاں کی زیادہ آبادی شیعہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عرب ممالک بھی عراق سے میل جول بڑھائیں تاکہ ایران کے اثرات کو کم کیا جا سکے۔

اسرائیلی منصوبہ مسترد ہو گیا

پچھلے دنوں ایک اسرائیلی اخبار ہرٹز نے وہ امن منصوبہ تفصیل سے شائع کر دیا جو چند ماہ پیشتر وزیراعظم ایہود اولمرٹ نے فلسطینی صدر محمود عباس کو پیش کیا تھا۔ منصوبے کے مطابق فلسطینیوں کو پیش کش کی گئی کہ وہ مغربی کنارے کے 92.7 فیصد رقبے اور غزہ کی پٹی پر اپنی آزاد فلسطینی ریاست قائم کر لیں۔ مگر فلسطینی صدر نے یہ منصوبہ مسترد کر دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ محمود عباس ایسی فلسطینی ریاست چاہتے ہیں جس کا دارالحکومت بیت المقدس ہو۔ نیز منصوبے کی ایک شرط یہ ہے کہ محمود عباس غزہ کی پٹی پر اپنی حکومت بحال کریں جہاں حماس کا راج ہے۔ پچھلے سال نومبر میں یہ طے پایا تھا کہ 2008ء کے آخر میں فلسطینی ریاست قائم ہو جائے گی۔ لیکن یہ خواب عملی شکل میں ڈھلتا نظر نہیں آتا۔ درحقیقت بین الاقوامی ذرائع ابلاغ اب مسئلہ فلسطین کی طرف کم ہی دھیان دیتا ہے۔ حقیقتاً غاصبوں سے نجات کے لیے ساری قوم میں ایکا ہونا لازم ہے۔ یہی دیکھیے کہ جیسے ہی سارے کشمیری ایک ہوئے، وہاں تحریک آزادی میں دفعتاً نیا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا۔

بوسنیائی سربوں کی مسلم دشمنی

بوسنیا کے مسلمان اس بات پر سخت غصے میں ہیں کہ سرب جمہوریہ نے ایسا قومی ترانہ اور قومی نشان منتخب کیے ہیں جو سربوں کی قوم پرستی نمایاں کرتے اور مسلمانوں کے خلاف نفرت ابھارتے ہیں۔ 2006ء میں عالمی عدالت نے یہ فیصلہ سنایا تھا کہ دونوں علاقے ایسے قومی ترانے اور قومی نشان منتخب کریں جو مسلمانوں، سربوں اور کروٹوں، تینوں کی نمائندگی کریں۔ مگر سرب جمہوریہ نے حال ہی میں جو قومی ترانہ منتخب کیا ہے اور جو قومی نشان اپنائے ہیں، وہ درج بالا فیصلے سے متصادم ہیں۔ قومی ترانے میں سربوں کو دنیا میں سب سے زیادہ بہادر اور شریف قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح کوٹ آف آرمز میں سرب عقاب اور شیر دکھائے گئے ہیں جو جارحیت کی نشانی ہیں۔ ظاہر ہے، ایسے نشانات کے انتخاب سے کشیدگی بڑھے گی، کم نہیں ہو گی۔

محمود درویش کی وفات

فلسطینیوں کی تحریک آزادی کو اپنی شاعری سے نیا جوش عطا کرنے والے مشہور شاعر محمود درویش پچھلے دنوں وفات پا گئے۔ ان کی شاعری کا ترجمہ دنیا کے 25 زبانوں میں ہو چکا ہے۔ انہوں نے کئی بین الاقوامی ایوارڈ بھی جیتے۔ ان کی وفات پر فلسطین اتھارٹی میں تین روزہ سوگ کا اعلان کر دیا گیا۔ نیز ان کا جنازہ کسی سربراہ مملکت کے جنازے کی طرح نکالا گیا۔

مقبوضہ کشمیر میں بیداری کی لہر

بھارتی حکومت نے جب امرناتھ مندر کو زمین دینے کا فیصلہ کیا، تو اسے یقین ہو گا کہ چند کشمیری رہنما احتجاجی تقاریر کر کے خاموش ہو جائیں گے۔ اس کے وہم و گمان میں نہیں ہو گا کہ یہ فیصلہ پوری وادی کشمیر میں تحریک آزادی کو نئے سرے سے زندہ کر دے گا۔ یہی نہیں تمام کشمیری رہنما اپنے اختلافات پس پشت ڈال کر بھارت کے خلاف ایکا کر لیں گے۔

حالیہ چند برس میں مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کی سرگرمی ٹھٹھر کر رہ گئی تھی۔ بھارتی حکومت کا خیال تھا کہ آزادی کے متوالے رام ہو چکے ہیں۔ اُسے علم نہ تھا کہ حریت پسندی کی چنگاریاں اندر اندر ہی سلگ رہی ہیں اور جیسے ہی انہیں ہوا ملی وہ بھڑک کر شعلۂ جوالہ بن جائیں گے۔ اب یہ کشمیری رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد برقرار رکھیں اور تحریک آزادی کی شمع کی لو اور تیز کرتے جائیں۔ وہ جتنی زیادہ قربانیاں دیں گے، منزل اتنی ہی جلد قریب آتی چلی جائے گی۔ ضروری ہے کہ وہ دشمن کی چالوں اور سازشوں کا شکار نہ ہوں اور اپنے دماغ چوبیس گھنٹے حاضر، نیز کان اور آنکھیں کھلی رکھیں۔

مجاہدین آزادی اور غاصبوں کی پولیس کے مابین جھڑپوں میں کم از کم 30 کشمیری مجاہد شہید ہو چکے ہیں۔ نیز 500 سے زائد زخمی ہوئے۔

انور ابراہیم میدان میں آ گئے

26 اگست کو ہونے والے ضمنی انتخابات کے سلسلے میں ملائیشیا کی حزب اختلاف کے اہم ترین رہنما انور ابراہیم نے اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیے ہیں۔ وہ ریاست پینانگ سے انتخاب لڑیں گے جو روایتی طور پر حزب اختلاف کا مرکز رہی ہے۔ ماہرین کی رو سے یہ نشست انور ابراہیم جیت جائیں گے۔

انور ابراہیم حکمران جماعت کے شدید مخالف ہیں جو 1957ء سے حکومت کرتی چلی آ رہی ہے۔ وہ منتخب ہو کر اس کے خلاف منظم تحریک چلانا چاہتے ہیں۔ انور کا دعویٰ ہے کہ انہیں حکمران جماعت کے کئی ارکان کی حمایت بھی حاصل ہے۔

fragments from Jewish and Christian writings which were gradually re-worked by several generations of Arab editors. Some of them seem to believe that if they could prove the human origins of the Islamic scripture then the Qur'an will lose its hold on Muslims just as the Bible has lost its hold over Jews and Christians.

6. Polemicists: Some individuals in this group may be genuine scholars, but most are simply zealous Christians who believe that in order to promote their religious beliefs they must discredit Islamic ones. Their favorite target is the authenticity of the Qur'an, a mission for which they frequently borrow various half-baked theories from the revisionists. They also like to attack various teachings of the Qur'an, claiming that it is a dangerous book that encourages violence against non-Muslims, degrades women, rejects scientific inquiry, and challenges the norms of decent secular society. They claim that as long as the Qur'an exists and is believed to be divine word, there will be no peace on earth. Such polemicists often try to convince both Muslims and non-Muslims that the Qur'an is illogical, disorganized, repetitive, and irrational and hence it cannot be anything but a purely human product. Some of them also like to claim that the Qur'an is far inferior to the Bible in both style and message.

Courtesy: 'Signs' a magazine of IONA

This diagram is from the book <u>The Qur'an: A User's Guide</u>, by Farid Esack. The diagram depicts six different ways in which people tend to approach the Qur'an.

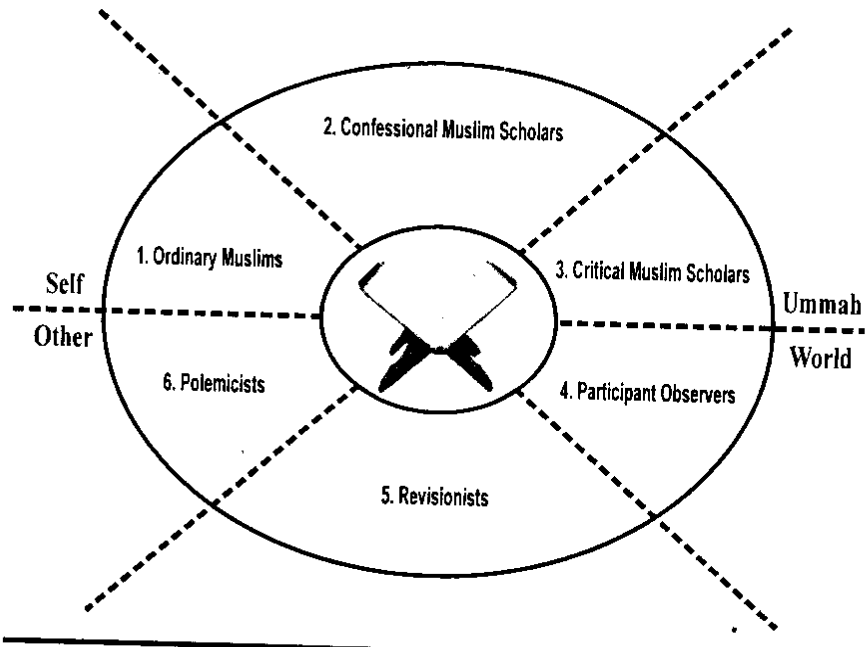

کے جواب لیا جاسکتا ہے۔ پرویز مشرف کو چک شہزاد فارم
ں میں رہنے دینے سے آدھا مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ چونکہ
ں کے مفاد میں بھی ہے، اس لیے اس کے امکانات بھی
ی ہیں۔

یہ ہوسکتا ہے کہ پرویز مشرف کی رخصتی کے بعد
ران اتحاد عوام کے مسائل حل نہ کرسکے اور عوام اس سے
تنفر ہو جائیں۔ حکمران اتحاد برقرار نہ رہے اور اس
ح قائد لیگ کو بھی دوبارہ عوام کے پاس جانے کا موقع
جائے اور وہ پرویز مشرف کو بھی ہمراہ لے لیں۔
یز مشرف کے دل میں واپسی کی حسرت ضرور رہے گی
ی بھی طرح اس کو ممکن بنائیں گے۔ گزشتہ روز کی تقریر
وہ ماحول بنانے میں کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے
یں خوبصورتی سے پیش کردیا، اس کا فائدہ انہیں چند ماہ
ذر ہونے والا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ حکمران اتحاد خوشیاں منانے میں
ف ہوجاتا ہے یا اپنا کام پکا کرتا ہے۔ پرویز مشرف اپنا
پر رکھ گئے ہیں۔ اس ہاتھ پر ہاتھ نہ ڈالا تو حکمران اتحاد
دیکھنا یہ ہے کہ اس بار سیاسی قوتوں کے ہاں کتنی
ت، ہمت اور برداشت ہے۔ وہ صرف پرویز مشرف
جات پر اکتفا کر جاتے ہیں یا جرنیلی جمہوریت سے
ہمیشہ کے لیے ملک اور قوم کی جان چھڑا دیتے ہیں۔
ں نکال کر ڈنگ ٹپاتے ہیں یا 'فرشتہ آمریت' کے تابوت
خری کیل ٹھونک کر انسان کی برتری یقینی بنا لیتے ہیں۔
دانوں نے ہمیشہ ''آخری کے'' کے وقت کمزوری
ی ہے۔ قدرت نے بابا ران کو موقع دیا، باور کرایا کہ
ن ''فرشتوں'' سے افضل ہے، اپنا منصب سمجھو، خدا کے
تم ہو، یہ ''فرشتے'' نہیں، مگر یہ ہر بار اسٹیبلشمنٹ سے
باز کر گئے۔ عوامی انقلاب کا بار بار ماحول بنا مگر ہر بار
یکس کے نزدیک پہنچ کر سکرپٹ بدل دیا گیا۔ لوہا بار بار
م ہوا مگر کسی نے چوٹ نہیں لگائی، پانی ڈال دیا۔ اب لوہا
بار پھر گرم ہے، بات صرف چوٹ لگانے کی ہے، فوجی
اپنے منطقی انجام کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اب حکمران
انجام تک پہنچاتے ہیں یا نہیں، ہم دیکھیں گے، سب
یں گے، مگر اس پر کیانی صاحب (ہمارے ملنے والے)
کہنا ہے کہ دیکھنا کیا ہے، سب کچھ طے ہو چکا ہے، اسی
پرویز مشرف کو قوم سے خطاب کا موقع دیا گیا۔ جب
ی کچھ نہیں تو دیکھنا کیا ہے؟ ہونی صرف باتیں ہیں،
جائیے سر دھنتے جائیے۔ (بشکریہ روزنامہ ''جناح'')

ol: 17 Regd. No. LRL -50 No. 34

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

iew Point

Six Approaches to the Qur'an

is book The Qur'an: A User's le, Farid Esack identified six r ways in which people, both lim and non-Muslim, oach the Qur'an., These aches are summarized . See diagram at the end.

rdinary Muslims: Most ms do not speak or stard classical Arabic, and they do not have direct to the meanings of the . A large number of ns do learn to read the ic script in a more or less te way. Muslims believe e Qur'an is literally the f the Almighty God. For it is the object of tional adoration and l veneration. The Qur'an dered *sacred* in both form ntent. It is placed at the shelf in the house, often in a special silk envelope. ommonly believed that Qur'anic verses or can help a dying person, nacing dog in its tracks, evil spirits, produce the tch for one's daughter, ide cure for the most of diseases.

nfessional Muslim : For the 'Ulama, the the inimitable and s speech of Allah revealed to the Prophet d (SAW) through the l. They contend that the to be understood mainstream, orthodox commentaries written tative jurists and theologians. The Qur'an is free from any contradictions or defects that normally affect human literary creations. If we encounter problems in understanding the Qur'an, the fault is likely to be on the side of the reader rather than on the side of the text. Ordinary Muslims should not try to interpret the meanings of the Qur'an because they are likely to commit serious mistakes; instead, they should follow the authoritative interpretations as provided by the 'Ulama'.

3. Critical Muslim Scholars: These are Muslim scholars who seek to apply the tools and insights of various modern disciplines to the study of the Qur'an. Most of them would acknowledge that the Qur'an is the word of God, but they would also raise the question of exactly what that might mean. They emphasize that in addition to being divine speech, the Qur'an is also a historical and cultural artifact. Consequently, they insist that its teachings must be historically contextualized before they can be properly interpreted and applied. They further argue that while the classical tradition is important, it is not absolutely binding on all subsequent generations. Every generation of Muslims will have to grapple with the message of the Qur'an according to its own needs, and every generation must use all the intellectual resources available to it in order to come to terms with the Qur'an.

4. Participant Observers: These are non-Muslim scholars who have become interested in the Qur'an during the course of their academic work. They try to avoid taking a firm and clear position on whether or not the Qur'an is divine speech; instead, they think it is highly desirable to learn about the contents, form, meanings, and history of the Qur'an, as well as the nature and extent of its effects on Muslims, in a scientific manner. They recognize that the Qur'an is a powerful and spiritually uplifting text that is revered by a significant section of humankind; they contend that for this reason alone it ought to be approached with utmost care and respect. Such non-Muslims are generally open-minded and sympathetic to Muslim beliefs, even when they do not agree with the latter .

5. Revisionists: These are non-Muslim scholars who are often hostile towards Islam and Muslims. They believe that both the confessional Muslim scholars and the non-Muslim sympathetic scholars have been too gullible in their approach to the Qur'an. The revisionists argue that anything that Muslims themselves claim about the history of the Qur'an cannot be accepted as reliable. Instead, only historical and critical methods can reveal the truth. Such scholars are not interested in the message and teachings of the Qur'an. Their aim is to show that the Qur'an is nothing more than borrowed